کتابِ ہدایت و تلقین

پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی

Marfat.com

Marfat.com

کتابِ ہدایت و تلقین

پروفیسر سیّد احمد سعید ہمدانی

BRITISH ACADEMY 4 HUMAN UNDERSTANDING

برٹش اکیڈمی فار ہیومن انڈرسٹینڈنگ

Marfat.com

جملہ حقوق بحق مصنف

نام کتاب: کتاب ہدایت و تلقین

مصنف: پروفیسر سید احمد سعید ہمدانی

اہتمام: مدثر علی

کمپوزنگ: رضوان الحسن، امانت علی

اشاعت: اپریل 2014ء

تعداد: 1000

ٹائٹل: عائشہ نواز

ناشر: برٹش اکیڈمی فار ہیومن انڈرسٹینڈنگ

مطبع: شرکت پرنٹنگ پریس 43 نسبت روڈ لاہور۔

فون: 37351007 / 042-37356547

قیمت (پاؤنڈ): 10 پاؤنڈ

قیمت (روپے): 500 روپے

ملنے کا پتہ برطانیہ:

BRITISH ACADEMY 4 HUMAN UNDERSTANDING

برٹش اکیڈمی فار ہیومن انڈرسٹینڈنگ

17 ایمبر سلے روڈ B12 8UR برمنگھم

رابطہ نمبر: 0044 121 440 4096

موبائل: 0044 786 973 4157

E-mail: books@bahu.co

ملنے کا پتہ پاکستان:

نستعلیق پبلیکیشنز

فیروز سینٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور

فون: 042-37351963 موبائل: 0331-4489310

E-mail:nastalique786@gmail.com

Marfat.com

انتساب

پیر سلطان نیاز الحسن قادری سروری کے نام

Marfat.com

تلقین و درسِ اہلِ نظر یک اشارت است
گفتم کنایتیو مسکرا نمی کنم

(حافظ)

Marfat.com

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
نورِ معرفت	11
وسیلہء معرفت	12
معرفتِ مشاہدہ	12
عارف	13
معرفت سلطانی	14
معرفت کا ادراک	14
شریعت	15
طریقت	16
حقیقت	17
معرفت	19
عارف	22
عارف کے کوائف	22
عارف کی خصوصیات	24
معرفت اللہ	24
عارف کا مقام	28
سلطان العارفین کی عارفوں کے لئے تنبیہہ	31

Marfat.com

عشق	33
عشق (ابیات باہوؒ کے مطالعہ کی روشنی میں)	43
تمثیلات وحکایات وروایات حضرت سلطان باہوؒ	52
فام بُدم	55
خانہء دل، خانہء نور	56
شیطان کی ہنر آزمائی	59
نفس امارہ، ایک ڈکٹیٹر	61
وجود آدمی ...... ایک ملک	62
دل مثلِ خانہ	63
مرشد اور آدمی کا وجود	66
ابلیس، دنیا اور نفس	67
حُب وطلب دنیا	70
دنیا کی زیب وزینت کا فریب	71
موت کے پل پر سکونت	73
مرشد کا طریق اصلاح	75
تجلیات	76
علماءؤ فقراء	80
حضرت سلطان باہو کا مقام کمال قرب	83
تدبیر اور تقدیر ...... سبب اور مسبب الاسباب	86
مُوتُو قَبْلَ اَنْ تَمُوْ تُوْ	88
تارک نماز	90

Marfat.com

مذہب دہقانیات	91
اہل دنیا اور اہل فقر	94
یہ مال و دولت دنیا	95
گھر کے اندر کتا	99
حقارت ہرگز نہیں	100
رب العالمین کا مقام ربوبیت	102
ہر زماں اپنے عمل کا حساب...... محاسبہ	103
طالب صادق	105
فقراء مثل آئینہ	106
نیک اور بد اور فقیر	107
رول ماڈل...... انبیاء علیہم السلام	110
منور لوگ	111
مردانِ کامل و اکمل	113
محبت و اخلاص خالصتاً للہ	113
محبت حق	114
طالب المولیٰ مذکر	116
درویش اور دختر پادشاہ	118
اپنی اپنی نظر	119
بزرگ اقلیت	120
اپنا اور پرایا	123
راہ معرفت دو نیم قدم	123

Marfat.com

قنائیت: تصدیق عشق و عرفان 126
فام بدم پختہ شرم 127
برترین مرتبہ 135
حوالے اور تشریحات 138

Marfat.com

نورِ معرفت

معرفت کی بجائے اگر ''پہچان یا ذریعۂ پہچان'' کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو ہر ایک کو اس کا مفہوم سمجھنے میں آسانی تو ضرور ہوگی۔ مگر اب چونکہ یہ لفظ تصوف کے شعبہ میں ایک اصطلاح کے طور پر استعمال ہوتا ہے اس لئے اس کے لغوی معنی ''پہچان'' کے استعمال سے مکمل مفہوم ادا نہیں ہو سکے گا۔

لہٰذا یہ مجبوری ہے کہ لفظ ''پہچان'' کی بجائے ''معرفت'' ہی استعمال کیا جائے۔ ....اندریں بارہ ایک بات یہ بھی قابلِ غور ہے کہ تصوف میں اگر ہم معرفت کی بجائے اُس کا آسان ہم معنی لفظ ''پہچان'' استعمال کریں گے تو سوال ہوگا کہ پہچان کس کی؟

جواب ملے گا: پہچان اللہ اور اس کے اسماء وصفات کی۔ اب پہچان کا لفظ تو عام ہے اُسکے مفہوم میں یہ تخصیص نہیں ہے کہ ہم صرف الٰہیات کے کسی پہلو یا مضمون کو جاننے پہچاننے کی کوشش کریں گے، پہچان تو کسی بھی چیز کی بس پہچان ہوتی ہے، خواہ وہ کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ مگر ''معروفت'' تو وہ مخصوص پہچان ہے جو الٰہیات کے مسائل و وسائل اور اُس سے متعلقہ احوال و مقامات اور واردات و مشاہدات سے تعلق رکھتی ہے۔

اب اللہ کی پہچان اور معرفت تو بہت دُور کی بات ہے کیونکہ اللہ کو کما حقہٗ کوئی پہچان نہیں سکتا۔ یہاں تو اسماء و صفات الٰہیہ کی بھی یہی کیفیت ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان کی معرفت کی صورت بھی کیا ہوگی یا وسیلہ معرفت کیا ہوگا؟

Marfat.com

وسیلہء معرفت:

اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عقل عطا کی ہے۔ ہر آدمی جو ذرا سوجھ بوجھ رکھتا ہے وہی اسکی عقل ہے۔ اس عقل سے بھی اللہ کے اسماء وصفات کو جانا جاسکتا ہے۔ یعنی دلائل و آثار کے ذریعہ اسماء وصفات الٰہیہ کے متعلق کچھ شُد بُد حاصل ہو جائے گی۔(۱)

اسی سطح کے اوپر عقل کا ایک درجہ ہے جسے عقل کُل کہا جاسکتا ہے۔ اس برتر درجہ پر وِجدان، شعور، حواس ظاہری اور قویٰ ذہنی وقلبی سب شامل ہو جاتے ہیں۔ اس عقل کُل کو نورِ ایمان بھی کہا جاتا ہے اور حضرت سلطان باہوؒ اسے عقلِ بیدار کہتے ہیں۔ اس عقل بیدار کے ذریعہ معرفت کماحقہٗ حاصل ہوسکتی ہے۔(۲) ایسی معرفت کو معرفتِ مشاہدہ کہتے ہیں۔

معرفتِ مشاہدہ:

معرفت کی تین قسموں (معرفتِ اقرار، معرفتِ حقیقت اور معرفتِ مشاہدہ) میں معرفتِ مشاہدہ ایسی معرفت ہے جس میں پہلی دونوں قسموں کی شرائط بھی شامل ہیں اور آگے ایک الگ صفت بھی موجود ہے۔

معرفتِ اقرار تو یہ ہے کہ کوئی کہے ہاں جی میں اللہ کو مانتا ہوں اور اُس کے اسماء و صفات کو بھی ان کے آثار سے پہچانتا ہوں۔

معرفتِ حقیقت یہ ہے کہ بندہ کسی بات کو ظاہری طور پر ہی دیکھ کر نہ پہچانے بلکہ اُس میں چھپی ہوئی صفت یا حقیقت کو بھی جان لے مگر ایسا جاننے والا بس اپنی معرفت کو اپنے تک ہی محدود رکھتا ہے۔ دوسرے کسی کو کم ہی اُس سے فائدہ پہنچتا ہے۔

معرفت مشاہدہ ان دونوں مذکورہ بالا اقسام کی تکمیل ہے۔ ایسی معرفت رکھنے والا خود بھی اشیاء کی حقیقت، اللہ کی وحدت اور اُسکی ہدایت نیز علمِ الٰہی کے راز و نیاز کو مانتا اور پہچانتا ہے اور دوسروں کو ان کی عقل کے مطابق مستفید کرنے کی بھی اہلیت رکھتا ہے۔ ایسا عارف گو کم ہی کہیں نظر آتا ہے مگر یہ کمیونٹی میں کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی، موجود ضرور ہوتا ہے۔

Marfat.com

عارف:

عارف کے بارے میں صحیح تعریف کا تو اوپر ذکر ہوا مگر صوفیاء کرامؒ عارف کے بارے میں اپنے ذوقی نکتہء نظر سے بھی معارف بیان فرماتے ہیں جو تصوف کے تذکروں میں جابجا موجود ہیں۔

مثلاً قدیم کتب میں اولیت کا شرف رکھنے والی کتاب اللمع فی التصوف میں بھی ابولفر سَرّاج (م، ۳۷۸ھ) نے چند اقوال نقل کیے ہیں:

''جب کوئی بندہ ابھی عارف بن رہا ہو تو اُسے یہی حکم دیا جاتا ہے کہ وہ کسی چیز کو اختیار نہ کرے اور نہ ہی سمجھے کہ اُسے کسی بات میں اختیار حاصل ہے تا کہ وہ عارف بن جائے۔ پھر جب اُسے معرفت حاصل ہوتی ہے اور وہ عارف بن جاتا ہے تو اُسے اس بات کی اجازت ہوتی ہے کہ وہ کسی بات کو اختیار کرے یا نہ کرے۔'' (یحییٰ بن معاذ رازیؒ)

''دنیا کی مثال دُلہن کی سی ہے......اور جو عارف باللہ ہوتا ہے، وہ اپنے آقا کے ساتھ مشغول ہوتا ہے۔ وہ اُس دُلہن کی طرف توجہ ہی نہیں کرتا۔ (ایضاً)

''اگر عارف اپنے معروف (اللہ) کو چھوڑ کر اُسکی اجازت کے بغیر مخلوق کی طرف توجہ دے تو وہ لوگوں میں رُسوا ہو جائے گا۔'' (ذولنونؒ)

''اور مومن اور عارف کے درمیان فرق یہ ہے کہ مومن اللہ کے نور سے دیکھتا ہے اور عارف خود اللہ کے ذریعہ سے دیکھتا ہے۔ مومن کا دل ہوتا ہے اور عارف کا دل نہیں ہوتا۔ مومن کا دل اللہ کے ذکر سے مطمئن ہو جاتا ہے مگر عارف اللہ کے سوا کسی سے مطمئن نہیں ہوتا۔ (ابوبکر سَرّاج)

''جُنید احمد اللہ سے کسی نے سوال کرتے ہوئے کہا: اے ابوالقاسم! عارفین، اللہ کے سامنے اپنی کیا حاجت پیش کرتے ہیں۔ فرمایا: اللہ کے پاس ان کی صرف یہ حاجت ہوتی ہے کہ اللہ ان کی نگہبانی اور اُن کا خیال رکھے۔''

''یحییٰ بن معاذؒ سے عارف کی صفت پوچھی گئی تو فرمایا: لوگوں کے اندر شامل بھی ہے

Marfat.com

مگر پھر بھی ان سے الگ تھلگ ہے۔'' (۳)

معرفتِ سلطانی:

حضرت سلطان باہوؒ کی کتب میں معرفت کے نکات جا بجا موجود ہیں اور ان کا پھیلاؤ اس قدر ہے کہ اُن کو کسی ایک مضمون میں سمیٹنا بہت مشکل ہے۔ خود حضرت سلطان باہوؒ نے ان کو کسی ایک جگہ ایک ساتھ نہیں لکھا۔ اب یہ خود قاری کا کام ہے کہ وہ اِن نکات کو ایک نظر میں دیکھے اور جاننے کی کوشش کرے کہ سلطان صاحب کا نظریہ معرفت کیا ہے اور کتنا ہمہ گیر ہے۔ اگر سلطان صاحب کی کتب کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معرفت کا شاید ہی کوئی نکتہ یا پہلو ایسا ہو جو ان کے مشاہدہ اور اظہار و ابلاغ سے باہر رہ گیا ہو۔

سلطان باہوؒ کا اسلوبِ بیان کچھ اس طرح کا ہے کہ وہ نظریہ اور عمل کا ذکر ساتھ ساتھ کرتے ہیں۔ یعنی معرفت اور معرفت پانے کے طریقوں کو یکجا طور پر لکھ دیتے ہیں۔ عام طور پر صوفیاء کے سمجھانے کا طریق اور معمول ایسا ہی رہا ہے کہ وہ ذکر ہو یا فکر، صرف اُسکے نظریہ تک محدود نہیں رہنا چاہیے بلکہ اُن کے عملی طور طریق کو بھی ساتھ ہی بیان کرتے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ ہمارے دور کے قاری پر منحصر ہے کہ وہ اگر چاہے تو نظریہ کا تذکرہ الگ کر لے اور عمل کو الگ کر کے دیکھے۔

معرفت کا ادراک:

مقصود کو پیش نظر رکھتے ہوئے معرفت دراصل اللہ تعالیٰ کے بھیدوں کی حقیقت سمجھنے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بھید وہی توحید اور اسماء و صفاتِ الٰہیہ کے خصائص و حقائق ہیں جو مومن کے لئے ایک لحاظ سے سرمایہء ایمان ہیں۔ سلطان صاحبؒ اس مقصود تک پہنچنے کے لیے مراتب بیان کرتے ہیں۔ اور وہ ہیں شریعت، طریقت، حقیقت اور بالآخر معرفت۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

''علم شریعت یک شرف است و طریقت یک حرف است و حقیقت حق بین است و معرفت مرتبہء حق الیقین است۔'' (۴)

Marfat.com

(علم شریعت ایک شرف ہے، طریقت ایک حرف ہے اور حقیقت مشاہدۂ حق ہے اور معرفت مرتبۂ حق الیقین ہے۔)

شریعت:

پہلا مرتبہ شریعت کا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ آج کے بعض نام نہاد دانشور معرفت کے تو دعوے دار بنتے ہیں اور صوفیوں کے دل دادہ ہونے کا اقرار کرتے ہیں مگر شریعت پر عمل کرنے سے بچنے کی راہیں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ مگر صوفیوں کے نزدیک اگر شریعت کو کوئی نہیں مانتا تو وہ صوفی تو کُجا، فقط ایک گمراہ شخص ہے۔ سلطان صاحبؒ نے تو نماز روزہ کی پابندی پر کئی صفحات لکھ ڈالے ہیں۔ اور فرمایا کہ ''ہر کہ قدم از شریعت بیروں زند، مطلق استدراج دارد۔ گناہ است۔(۵) (جو آدمی شریعت کے دائرے سے باہر قدم رکھتا ہے، یہ اُس کا فریب ہے اور گناہ ہے)

شریعت سے ہی تو پتہ چلتا ہے کہ غلط کیا ہے اور صحیح کیا ہے اور جائز اور ناجائز میں فرق کیا ہے۔ شریعت پر چلنے سے ہی عبادت کا مفہوم اور طریقہ سمجھ میں آتا ہے۔ یہاں پھر وہی بات سامنے آتی ہے کہ جو شخص عبادت کے طریقہ وعمل سے دور رہنا چاہتا ہے، اُس کا تصوف سے کیا واسطہ؟ تصوف تو نام ہی بندگی اطاعت اور عبادت کا ہے۔ ذکر وفکر کے منابع بھی وہی ہیں جو فِقہ وشریعت کے ہیں۔

ظاہر ہے کہ جب تک شریعت پر عمل نہیں ہوں گے تو آگے کیسے چلیں گے۔ شاید ہی سلطان صاحب کی کوئی تصنیف ہو جس میں شریعت پر عمل کی تاکید نہ ہو۔ اپنے متعلق فرماتے ہیں:

''یہ مراتب عظمیٰ اور سعادت کبریٰ مجھے شریعت سے نصیب ہوئی ہیں۔ میں نے ہمیشہ شریعت کو ہی پیشوا بنایا ہے۔ طالب اللہ خواہ مبتدی ہو، خواہ منتہی، اُسے چاہیے کہ صبح وشام شریعت کو مدنظر رکھے اور جو کچھ شریعت حکم کرے اُس کے مطابق عمل کرے کیونکہ وہ منجانب اللہ حق ہے

Marfat.com

اور جس بات پر شریعت رو کے، اُسے نہ کرے کیونکہ وہ باطل اور بدعت ہے۔''(۶)

بلکہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

''شریعت قرآن شریف ہے اور حقیقت بھی قرآن شریف سے ظاہر ہے اور قرآن شریف سے معرفت حاصل ہوتی ہے جس سے جمعیت جاودانی ہاتھ آتی ہے۔(۷)

یعنی شریعت پر عمل ہے تو ترقی جاری رہے گی اور اگر شریعت سے ہٹ گئے تو کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ''آنچہ شریعت رد کند، آں راہِ کفر است۔''(۸) (جسے شریعت رَد کر دے، وہ کفر کی راہ ہے)

طریقت:

حضرت سلطان باھوؒ کے نزدیک طریقت عمل کا نام ہے۔ بعض اوقات تفہیم کی خاطر سلطان صاحب شریعت کو قال یعنی احکام فقہ کا نام دیتے ہیں اور طریقت کو افعال کہتے ہیں یعنی عمل۔

''بدان کو شریعت قال و طریقت............''

''مان لے کے شریعت قال ہے اور طریقت افعال ہے۔''

جب عمل کی نوبت آتی ہے تو اس میں بڑے غور و خوض اور استقلال کی ضرورت ہے کیونکہ عمل میں نیت اور عزم اور ارادہ سب شامل ہیں بلکہ اس سے پہلے توبہ کے مقام سے آدمی شروع ہوتا ہے یعنی پچھلے گناہوں سے توبہ اور آگے جزا و ثواب کی باتوں پر عمل۔

اس میں آدمی کی اپنی نفسیات بھی آڑے آتی ہے۔ مثلاً بعض اوقات آدمی سب کچھ سمجھتا ہے لیکن اپنے تئیں عمل پہ تیار نہیں ہو پاتا۔ اس کیفیت کو استاد غالب نے یوں بیان کیا تھا۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زُہد
پر طبیعت اِدھر نہیں آتی

اس حال میں کسی خارجی مدد کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہاں پر کسی مرشد کی اعانت

Marfat.com

چاہیے جوان رکاوٹوں کو دور کرنے میں مدد دے مرشد کی ضرورت صرف مبتدیوں کے لئے ہی نہیں ہے بلکہ بعض اوقات بڑے بڑے عالموں کو کوئی پیر استاد ڈھونڈنا پڑتا ہے جوان کو نفسیاتی الجھنوں سے نجات دلائے۔ اسی لئے سلطان صاحب مرشد کی بیعت کو فرض خیال کرتے ہیں:

''دست بیعت و تلقین گرفتن از مرشد کامل فرض واجب، سُنت و مستحب از برائے این است کہ بر زندہ دل ذاکرِ اللہ شیطان غالب نہ گردد۔ در وجودِ ذاکرِ اللہ شیطان مدخل نہ می شود''(۱۰)

(مرشد کامل سے دست بیعت ہونا اور تلقین حاصل کرنا اس لئے فرض واجب، سنت و مستحب ہے کہ زندہ دل ذاکر اسم اللہ پر شیطان غالب نہیں ہوسکتا اور نہ ہی ذاکر اسم اللہ کے وجود میں شیطان داخل ہوسکتا ہے)

لیکن طریقت میں مرشد کامل ہونا چاہیے۔ مرشد کامل وہ ہوتا ہے جو خود ذکر و فکر اور تلقین و عمل کے مقامات سے گزر چکا ہو۔ اُس کے مشائخ کا سلسلہ سب کو معلوم ہو اور جس پیر استاد سے اُس نے تربیت پائی ہے، وہ بھی کسی معروف طبقہ و سلسلہ سے وابستہ ہو۔ سلطان صاحب فرماتے ہیں: ''مرشد کامل وہ ہے جسے خدائے تعالیٰ کے حکم و اجازت سے جملہ مقامات ذات و صفات پر تصرف حاصل ہو اور جب کوئی طالب اُس سے کسی مرتبے اور مقام کا سوال کرے تو وہ اُسے رنج و ریاضت میں مبتلا کئے بغیر وہ مرتبہ عطا کردے۔''(۱۱)

حقیقت:

حقیقت کا تعلق دراصل آگاہی سے ہے اور یہ حال کی آگاہی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

''حقیقت احوال'' یا ''طریقت را بر حق نگاہ است'' یا ''حقیقت حق بین است''

یہ حق کی نگہداری اور حق بینی سب مال کی نگہداشت اور مشاہدہ پر مبنی ہے۔ حق جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔ بلکہ طلب حقیقت میں جب شِدت پیدا ہوتی ہے تو پھر ظاہر و باطن کی حدیں بھی مٹ جاتی ہیں۔ حُسین بن منصور حلاجؒ پر جب اس کیفیت نے زور پکڑا تو وہ انا الحق

Marfat.com

پکار اُٹھے تھے اور ذرا بھر بھی کسی ملامت کی پرواہ نہ کی تھی کہ ان کے لئے ہر شے کی ظاہر و باطن میں نمود حق کی تھی۔ حق ہی حق۔

ہر چند کہ یہ سب حق ہے مگر عاشق اور عارف تو اس سے کہیں آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے اُنہیں تو کسی دعوے کی فرصت ہی نہیں ہوتی۔

حقیقت کا مقام قلب یعنی دل ہے کیونکہ باطن مین جو خیال کی آمدورفت رہتی ہے ان کی حقیقت کی چھان بین بھی یہیں ہوتی ہے۔ ایک عارف ولی اللہ ان خیالوں پر اپنی گرفت سخت رکھتا ہے۔ کبھی ان کو آنے جانے دیتا ہے اور کبھی ان پر قابو پانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ جدوجہد جاری رہتی ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ کے نزدیک حقیقت مرتبہ عین الیقین پر پہنچ کر حاصل ہوتی ہے۔ جب آدمی سب کچھ صحیح معنوں میں دیکھ لیتا ہے، ہر حال اُس کے تجربے میں آجاتا ہے اور وہ حق تک پہنچ جاتا ہے تو پھر یہ ہوتا ہے کہ

''حق گوید، حقانیتِ حق داند، حق شناسد، حق خواند۔ ہر کہ بحق رسَد، کُل باطل از وجودِ او خطراتِ شیطانی بدر شعود۔ این است مرتبۂ حق الیقین کو منصبِ خود را شناسَد و بر نفس محاسب شعود۔ این است مراتب عارفاں۔'' (۱۲)

(حق بولے، حق کی حقانیت کو سمجھے، حق کو پہچانے اور حق کو جانے۔ جو آدمی حق تک پہنچ جائے، اُس کے وجود سے سب باطل اور خطراتِ شیطانی نکل جاتے ہیں۔ یہ ہے مرتبۂ حق الیقین کہ بندہ اپنے منصب کو پہچانے اور اپنے نفس کا احتساب کرے۔ یہ عارفوں کے مراتب ہیں۔'')

حضرت سلطان باہوؒ کی ساری تصنیفات کا مقصد اپنے عقیدتمندوں اور مریدوں کو حق سے آگاہ کرنا ہے کیونکہ وہ خود حقیقت کے اُس اعلیٰ مرتبہ پر فائز تھے کہ اُن کا ایک طالبِ صادق پکار اٹھا:

Marfat.com

غیا سخی سلطان باہو! در حقیقت کا مِلی
المدد فی کُلِّ حَالٍ در خفی و در جلی (۱۳)

(یا سخی سلطان باہو، آپ حقیقت کے مقام پر کامل ہیں۔ ظاہر و باطن کے ہر حال میں میری مدد کیجئے)

سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے انسانی نفسیات میں حقیقت کے انکشاف کی راہ میں ایک رکاوٹ کا ذکر کیا ہے کہ اگر وہ رکاوٹ دور ہو جائے تو ہر شے کی حقیقت از خود کھل جاتی ہے۔

ان کے علم اسرار حروف کی رُو سے ''حقیقت کی ح سے حرص کو دور کرنا'' ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ

''جب تک حرص دُور نہ ہو، حقیقت نظر نہیں آسکتی اور جب تک کسی شے کی حقیقت نہ کھلے، حرص دور نہیں ہوتی۔ گویا سب سے پہلے جب آدمی درویشی اور فقیری کے حلقے میں آکر اپنے تعلقات اور معاملات پر غور کرتا ہے تو اُسے نظر آتا ہے کہ اُسکی پسندیدگی اور ناپسندیدگی نیز اُن کی ترجیحات اشیاء اور واقعات کی اہمیت حقیقت کے مطابق نہیں، اسی طرح بعض چیزوں (جیسے ضرب المثل کے مطابق زر، زن اور زمین) کی حرص میں وہ اندھا ہو رہا ہوتا ہے اور ان کے ساتھ شدید لگاؤ کا انجام اُسکی نظر میں نہیں ہوتا۔ تب وہ کسی استاد سے مشورہ کر کے اُس حرص کو دور کرتا ہے اور اُسے اپنے سے دور رکھتا ہے۔ یہاں تک کہ حقائق اُس پر کھلنے لگتے ہیں اور جب حقائق کھلتے ہیں تو حرص کے نقصانات واضح ہو جاتے ہیں۔ تب بندہ حرص سے دور رہنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس طرح اُس کا ہر عمل حقیقت پسندی پر مبنی ہوتا ہے۔'' (۱۴)

معرفت:

سلطان العارفین سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ ''معرفت کی اصل نور ہے۔'' (۱۵) یہ اللہ کا نور ہے۔ اسی سے مومن ظاہر و باطن کی اشیاء کو دیکھتا ہے اور اسی نور کی روشنی میں وہ حیات و

Marfat.com

کائنات پر نظر ڈالتا ہے۔

''معرفت مرتبہء حق الیقین است۔'' (۱۶) یہ حق الیقین یقین کا وہ آخری رتبہ جہاں فقیر کا پورا وجود اپنے تمام قویٰ سمیت روحانی حقیقتوں کا مشاہدہ و تجربہ کرتا ہے بلکہ یہ ہر وقت اور ہر آن میں اُس کے تجربے میں رہتی ہیں۔

حقیقت کی آنکھ کھلتی ہے تو دین کے بھید کھلنے لگتے ہیں یہ وہی بھید ہیں جن کی خبر پیغمبروں نے دی: لا الــه الا الــلّٰه'' اللہ حق ہے اور اُسکے اسرار اور بھید بھی حق ہیں، گویا ''جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے۔'' فرمایا:

''معرفت را از حقیقت سِرِّ اسرار اِلا اللہ است۔'' (۱۷) یعنی حقیقت کے حال و مقام سے لا اللہ کے بھیدوں کے بھید کی پہچان ہوتی ہے۔ معرفت یہی ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے معرفت کے مفہوم کو کئی طریقوں سے سمجھانے کی کوشش فرمائی ہے۔ جب آدمی پہلے پہل فقیروں اور درویشوں کے حلقے میں آتا ہے تو اُسکی کچھ آنکھیں کھلتی ہیں اور وہ کبھی اپنے آپ پر نظر ڈالتا ہے اور کبھی درویشوں کی اپنے نفس سے آگاہی اور نگہداشت کو دیکھتا ہے تو پھر اُسے بھی نفس، قلب اور روح کے محل اور مرکز کا پتہ چلتا ہے۔ سلطان صاحبؒ نے اِس کو ''شناخت'' (پہچان) کا ابتدائی مرحلہ کہا ہے۔ اگرچہ سلطان صاحب نے ایک موقع پر اِسے معرفت بھی کہا ہے لیکن دراصل یہ طریقت کا رتبہ ہے جو بالآخر حقیقت اور معرفت تک پہنچا دیتا ہے۔ گویا طریقت اور معرفت لازم و ملزوم ہیں۔ اس لئے یوں فرمایا ''معرفت شناخت را گویند، شناخت یافت، ہر کہ یافت دید، ہر کہ دید یافت۔'' (۱۸) (معرفت شناخت کو کہتے ہیں۔ شناخت پالینا ہے۔ جس نے پالیا، اُس نے دیکھ لیا، اور جس نے دیکھ لیا، اُس نے پالیا۔'')

شناخت (طریقت و حقیقت) کے بعد ''یافت (معرفت)'' کا مرتبہ ہے۔ اس زاویہ نظر سے یہ نفسِ مطمئنہ کا انتہائی درجہ ہے۔ (۱۹) جہاں بندۂ حق کو مکمل اطمینان حاصل ہو جاتا ہے کہ

Marfat.com

وہ حق پر ہے حق کو دیکھ رہا ہے، حق کہہ رہا ہے اور حق پر چل رہا ہے۔ جہاں اسے آواز آ رہی ہے کہ ''چل اپنے رب کی طرف، تو اس سے راضی وہ تجھ سے راضی ٥ پھر مل میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں ٥'' (٢٠)

اسی لئے سلطان صاحبؒ نے معرفت کو وصال کہا ہے۔ (٢١) گویا یہاں طالبِ حق خدا کے ساتھ اس طرح سے مل گیا کہ وہ اب خدا تو نہیں مگر خدا سے جدا بھی نہیں۔ اب اس مقام سے آگے فقیر پر معرفت کے وہ بھید کھلتے ہیں جنہیں بعض اوقات زبان بیان کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔ ''راہِ مولیٰ معرفتِ سِرّ اسرار، سَر اسَر راز۔'' (٢٢) (راہ مولیٰ بھیدوں کے بھید کی معرفت ہے جو سَر اسَر راز ہے)

''عارف شدن نہ آسان کار، در معرفت الٰہی عظیم سِرّ اسرار'' (٢٣) (عارف ہونا آسان کام نہیں، معرفت الٰہی میں بھیدوں کا سب سے بڑا بھید ہے)

دراصل درویشی کے اس مرحلے پر طالبِ حق ایک اہم فیصلہ کرتا ہے۔ یعنی وہ جسے شاہ حسینؒ نے بڑے سادہ الفاظ میں بتا دیا۔ ''میں ناہیں، سَب توُں ہی توُں'' یعنی میں کچھ نہیں، سب تُو ہی تُو ہے!'' یا خود سلطان صاحبؒ نے فرمایا:

قادِر دے ہتھ ڈور اَساڈی جیوں رکھے تیوں رہئیے ہو (٢٤)

(ہماری ڈور تو قادر کے ہاتھ میں ہے، وہ جیسے رکھے، بس ویسے ہی رہنا چاہئے)

یہ گویا خود کو مکمل طور پر اللہ کے سپرد کر دینا ہے۔

مولا کی معرفت نعمت ہے، فرماتے ہیں: ''نعمتِ معرفتِ مولیٰ چیست؟ از خود فانی و بحق باقی جاں سپاراست'' (٢٥) (نعمتِ معرفتِ مولیٰ کیا ہے؟ خود سے فانی ہو کر بحق باقی ہونا، اللہ کی راہ میں جان فدا کرنا ہے) سلطان صاحبؒ کے اس جملہ میں ''بحق باقی'' کی جُزو غور طلب ہے۔ اب صاحبِ معرفت حق کے ساتھ ہی باقی رہتا ہے۔ صدق اور صفائی کے ساتھ، حق ہی حق!

صاحبِ معرفت جب آگے بڑھتا ہے تو ہر مرتبے سے واقف ہو کر آگے بڑھتا ہے اور

Marfat.com

جب ادھر اُدھر نظر ڈالتا ہے تو ہر مرتبے پر اُسکی نظر پڑتی ہے اور وہ ہر مرتبے کے مردانِ حق کو جانتا ہے۔ اُسے ''آئینے کی طرح تمام مراتب نظر آتے ہیں اور صاحبِ معرفت کو ہر مقام اور مرتبہ کی نا صرف واقفیت ہوتی ہے بلکہ اُنہیں دیکھتا بھی ہے......'' (۲۶)

آخر میں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ ''معرفت میں تین باتیں ہیں۔ اول مصیبت کے وقت صبر، دوم عطا کے وقت شکر اور سوم قضا پر راضی رہنا۔'' یہ وہی باتیں ہیں جو سلطان صاحبؒ کے قول ''قادر دے ہتھ ڈور اساڈی جیوں رکھے تیوں رہیئے ھُو'' میں بتا دی گئی ہے البتہ سلطان صاحبؒ کی تنبیہہ بھی قابل غور ہے: ''جو شخص معرفت کا دعویٰ کرے اور اُس میں یہ باتیں نہ پائی جائیں تو سمجھ لو کہ وہ سچا نہیں۔'' (۲۷)

عارف:

پہلے بھی اشارتاً کہیں لکھا جا چکا ہے کہ حضرت سلطان باہوؒ جب فقر کی خوبیاں لکھنا چاہتے ہیں تو عام طور پر فقر کی تصویر پیش کر دیتے ہیں کہ لو دیکھو یہ فقر ہے جو فقر کو ان خوبیوں کا حاصل ہے۔ اسی طرح وہ معرفت کے خصائص لکھتے لکھتے عارف باللہ کی شخصیت کو سامنے لے آتے ہیں کہ یہ دیکھو، یہ عارف جو معرفت میں کمال رکھتا ہے اور ایسا ہے اور ایسا ہے۔ یعنی اُس کے سارے رنگ ڈھنگ، چال ڈھال اور اُس کے سارے ظاہر و باطن کی ایسی خاکہ کشی کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں کو اُسکے جاننے اور ڈھونڈنے میں کوئی مشکل پیش نہیں آتی۔ بعض اوقات تو عارف باللہ ایک فقیر کامل کا حقیقی پرتو نظر آتا ہے۔ اس قسم کے جملے عاف باللہ کی تعریف میں جا بجا ملیں گے: ''فقیر کامل معرفت مقام فنا فی اللہ رسیدہ را گویند و عارفِ باللہ صاحب غرقِ نورِ ابوبیت دیدہ را گویند'' (فقیر کامل اُسے کہتے ہیں جو مقام فنا فی اللہ پر پہنچ جانے پر معرفت کو جان چکا ہو اور عارف بقا باللہ وہ ہوتا ہے جو نورِ ربوبیت کے مشاہدے میں غرق ہو۔) (۲۸)

''عارف باللہ، فقیر فنا فی اللہ، صاحبِ ولایت، ولی اللہ، کامل مکمل۔'' (۲۹)

عارف کے کوائف:

سلطان العارفین سلطان باہوؒ کے نزدیک عارف بھی ولایت فقر کا ایک اعلیٰ ترین

۱۲۵۷۸۷

Marfat.com

مرتبہ ہے۔ اکثر وہ اس کی الگ الگ خصوصیات بھی بیاں فرماتے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ جان لینا چاہیے کہ ولایت کی طرح عطائے معرفت بھی اللہ کی دین ہے۔ جسے چاہے عطا کرے۔ بے شک اس میں رجحان اور حسب ضرورت ریاضت کا ہونا بھی شامل ہے مگر اس کی عطا محض اللہ کا فضل و کرم ہے۔ وہ جسے چاہے عطا کرے: ''آدمی درمیان یک دم بہ معرفت مولیٰ از کدام راہ عارف باللہ شود؟ اول کرمِ خدائے تعالیٰ، دوم عطائے مرشدِ باطن صفا کامل۔(۳۰) (آدمی کس طرح ایک ہی دم میں کس راہ سے معرفت مولا میں عارف کے مقام پر پہنچتا ہے؟ اول خدائے تعالیٰ کے کرم سے اور دوم باطن صفا مرشد کامل کی عطا سے)

اس کے ساتھ ہی عارف کے کوائف کا جان لینا بھی ضروری ہے۔ عام طور پر ولی کے لئے تو علم ظاہر کا ہونا بقدر حاجت لازم ہے۔ باقی اُسکی روحانی استعداد اور صلاحیت اُسے کامل بنا دیتی ہے۔ مگر عارف کے لئے بہت اہم ہے کہ علم ظاہر و باطن دونوں کا جاننے والا ہو۔ ان دونوں علوم کے ہوتے ہوئے وہ کسی بھی طریقے کے سالک کی رہبری کر سکتا ہے اور کسی بھی مذہب و ملت کے ماننے والے سے بات کر سکتا ہے۔ علم ظاہر سے مراد ہے، دین اسلام کے ارکان عبادات اور عقائد کا علم، فلسفہ ونفسیات کا مطالعہ، زندگی کے شعبہ ہائے عمل کا مشاہدہ اور چلن وغیرہ اور علم باطن سے مراد ہے، تصوف کا علم، احوال و مقامات اور واردات وجہاتِ روحانی کا تجربہ و مشاہدہ اور باطنی علوم میں رہبری وغیرہ سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں: ''امّا فقیر عارف آن است کہ علم ظاہر و علم باطن ہر دو را عالم باشد کہ ایں ہر دو علم سالک را بال و پر است۔ ہر کہ ہر دو علم ندارد، از معرفتِ مولیٰ بے خبر است۔''(۳۱) (لیکن فقیر عارف وہ ہے جو علم ظاہر اور علم باطن دونوں کا عالم ہو کہ یہ دونوں علم سالک کے لئے بال و پر ہیں۔ جو یہ دونوں علم نہیں رکھتا، وہ معرفت مولا سے بے خبر ہے)

موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے واقعہ کی روشنی میں سلطان باہوؒ نے خضر کو عارف کہا ہے

Marfat.com

اور ایک معنی خیز جملہ لکھا ہے۔ ''کار خضر براہ و نظر موسیٰ بر گناہ۔'' خضر کی نظر قدرت خداوندی کے طریق پر تھی اور موسیٰ صرف گناہ و ثواب کو دیکھ رہے تھے۔ خضر کے بارے میں فرمایا: ہم چناں فقیر عارف باللہ از ہر حال واحوال و مقام آگاہ، حال ماضی مستقبل در نگاہ۔ بنا براں از ہر عبادت بہتر است نظر عارف باللہ نیم نگاہ۔'' (۳۲) (فقیر عارف باللہ ہر حال واحوال و مقام سے آگاہ ہوتا ہے۔ ماضی، حال، مستقبل اُسکی نگاہ میں رہتا ہے۔ اس بناء پر عارف باللہ کی نظر بلکہ اُسکی ہم نگاہ بھی ہر عبادت سے بہتر ہے)

عارف کی خصوصیات:

جب خدا اور رسول خدا ﷺ کی مدد اور ''مرشد کامل قویٰ دین'' کی رہنمائی سے باطن کی راہ کھل جاتی ہے اور کئی مراحل طے کرنے کے بعد عارف کا مقام کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ تو اُس پر رُوحانی دنیا کے انکشافات ہونے لگتے ہیں۔ دنیا کی حقیقت کھل جاتی ہے، دنیا میں کتنا حصہ لینا ہے اور کتنا رَد کر دینا ہے۔ ازل اور ابد کے راز اُس پر ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی شروع جس کا کوئی شروع نہیں کیا ہے اور ابد جس کا کوئی ابد نہیں کیا ہے؟ اللہ کی ذات اور صفات کے اسرار بھی اس پر کشف ہوتے ہیں۔ پھر عارف ''ہر سہ کشف را بگزارد و بہ کشف مولیٰ یکتا گردد'' (۳۳) (تینوں کشوف دنیا، ازل اور ابد کو وہ چھوڑ دیتا ہے اور کشف مولیٰ سے یکتا ہو جاتا ہے)

عارف کی نظر ہر وقت اللہ پر رہتی ہے، جو اپنا اختیار چھوڑ کر ہمیشہ اللہ کی طرف دھیان دیتا ہے کہ اُسے کیا منظور ہے۔ اس کیفیت میں اسے اللہ سے کسی اور صلے یا انعام کی توقع نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ ان کو یاد کرتا ہے: ''عارف کو بہ نظر مولیٰ منظور دوام حضور است، آں را نہ دوزخ یاد ماند و نہ نعمت بہشت و نہ حُور و قصور۔'' (۳۴) (عارف اللہ کی نظر میں منظور ہمیشہ حضوری میں رہتا ہے۔ اُسے دوزخ ہی یاد رہتی ہے، نہ نعمتِ بہشت اور نہ حُور و قصور)

معرفت اللہ:

عقل بیدار میں سلطان صاحبؒ نے ایک الگ فصل معرفت کی شرح میں لکھی ہے

Marfat.com

(۳۵) اور فرمایا ہے کہ اگر کسی نے حالات و واقعات اور اشیاء و مقامات کا مشاہدہ کیا ہے، عقل و دانش سے کسی قدر فہم حاصل کیا ہے، کچھ سوجھ بوجھ اور گفتگو سے جان اور پہچان لیا ہے، مخلوق سے ملاقات سے حظ اٹھایا ہے یا کسی نے ولایت کی ہر منزل مقامات کے بارے میں حکایات سن لی ہیں تو یہ سب اللہ کی معرفت نہیں ہے۔ دراصل معرفت کے چار مراتب ہیں جو عارف کی ذات سے متعلق ہیں۔ اگر کوئی شخص موت سے محبت رکھتا ہو، اللہ سے ملاقات کا کسی طور مشاہدہ کیا ہو، مجلسِ محمدی کی حضوری اسے حاصل ہو اور انبیاء و اولیاء اللہ کی ارواح سے ملاقات کرتا ہو، تو وہ عارف ہے اسی طرح چار خوبیاں عارف کی معرفت کی گواہ ہیں:

خود آ گاہی: وہ اپنے آپ کو جانتا ہے۔

نگاہ کی تاثیر: اُس کی توجہ دوسروں پر اثر انداز ہوتی ہے۔

مرشد کی ہمراہی: مرشد کامل کی صحبت اسے حاصل ہو۔

اور معبود حقیقی (اللہ) کی رفاقت: ہر وقت اللہ کے ذکر میں رہتا ہے۔

عارف کو ان چار باتوں کا علم ہونا چاہیے:

ظاہر کا علم: جائز و ناجائز اور حرام و حلال اور عبادات کا علم

اعلیٰ درجے کے عمل کا علم: توفیق کے مطابق اچھی طرح عمل کا علم

عاقبت بالخیر کا علم: عمل کے نتائج اُخروی کا علم

ہر ایک کو معاف کرنے کا علم: حلم و اخلاق حسنہ کا علم

عارف کی چار باتیں باطن کی سَیر سے متعلق ہیں۔ سَیر کا مطلب یہ ہے کہ عارف ایک حال سے دُوسرے حال، ایک فعل سے دوسرے فعل، ایک تجلی سے دوسری تجلی اور ایک مقام سے دوسرے مقام میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ (۳۶) چنانچہ عارف کبھی مقام ''نور حضور مع اللہ'' میں ہوتا ہے کبھی ''ذکر و مذکور'' کے حال میں اور کبھی اُسکے سارے وجود کو رحمت سے ڈھانپ دیا جاتا ہے (''وجود مغفور'')

Marfat.com

پھر فرمایا کہ عارف کے لئے معرفت کے چار مکان ہیں:

مکانِ عیاں: جہاں قبل تخلیق عالم کا آئینہ موجود تھا اور اب تک ہے۔ اس کا تعلق روحانی مشاہدہ سے ہے۔

مکانِ لاہوت: مقام فنا، لَا ھُوَ اِلَّا ھُو کی مستقل کیفیت

مکان لامکاں: اللہ ہی اللہ

مکان فنا فی اللہ: ''ذات احد میں اس درجہ استغراق کہ اپنا بھی ہوش نہ رہے۔''

''ربحارِ استغراق'' (۴۷)

تب یہ ہوتا ہے کہ ''عارف آنچہ مجابیند، از حضوری بیند و آنچہ گوید، ہر سخن از کنہٗ کُن حضوری گوید و آنچہ شنود، از حضور شنود، توجہ عارف از قرب اللہ دوام است کہ ہر دو جہاں در قید عارف تمام است'' (عارف جو کچھ دیکھتا ہے۔ حضوری سے دیکھتا ہے، جو کچھ کہتا ہے، اُسکی ہر بات کنہٗ کُن کی حضوری سے ہوتی ہے اور جو کچھ سنتا ہے، حضوری سے سنتا ہے۔ عارف کی توجہ قرب اللہ دوام سے ہوتی ہے کہ دونوں جہان عارف کی قید تمام سے ہوتے ہیں)

اپنے الہامی رسالہ روحی میں یہ بات درج فرمائی: ''عارف واصل بہر جا دید کشاید، بجز دیدارش نہ بیند و نقشِ غیر وخودی از خود بد انداز د تا با مطلق مطلق شود (عارف واصل جہاں کہیں آنکھ کھولتا ہے، اُس کے دیدار کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا اور غیرت وخود پرستی کا نقش مٹا دیتا ہے تا کہ مطلق کے ساتھ مطلق ہو جائے)

قادر دے ہتھ ڈور اساڈی:

عارف اپنا سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیتا ہے، حال بھی، قال بھی اور فعل بھی۔ اللہ کے اِذن اور حکم کے بغیر وہ کسی سے کلام بھی نہیں کرتا۔ اُس پر بہت سی ایسی باتیں مِن جانب اللہ منکشف ہوتی ہیں جو وہ دوسروں کو بتا بھی نہیں سکتا۔ وہ باتیں اُسکے اپنے یا دوسروں کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں بھی ہوسکتی ہیں اور قدرتِ خداوندی کے معمول کے بارے میں

Marfat.com

بھی۔ دوسروں کے علم میں آجائیں تو بعض اوقات ان کے لئے یہ علم آزمائش بھی بن جاتا ہے لہٰذا عارف اکثر ایسی باتوں کے بارے میں خاموش رہتا ہے: ''پس عارفِ کامل آں است کہ اگر حکم عارف باللہ را از اللہ تعالیٰ بشود، بہر آں کس سخن بہ کُن، الہام شود عارفِ باللہ بہ او ہم کلام شود اِلّا نہ عارف بغیر از حکم رب زباں بریدہ صُمٌّ بُکمٌ۔ عارفاں بہ ہیچ کس ہم سخن نشوند'' (۳۸) (پس عارف کامل وہ ہے کہ جسے اگر اللہ کی طرف سے کسی سے ہم کلام ہونے کا حکم والہام ہو جائے تو وہ اُس سے ہم کلام ہوتا ہے ورنہ نہیں کہ عارف باللہ حکم ربانی کے بغیر زبان بریدہ اور گونگا بہرہ ہوتا ہے۔ عارف لوگ کسی سے از خود ہم کلام نہیں ہوتے۔'')

عارف باللہ چونکہ قضا و قدر کے عمل اور معمول سے واقف ہوتا ہے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی حکمت و مصلحت سے آشنا بھی، لہٰذا وہ اپنے اختیار کو ترک کر کے اللہ کے اختیار کو اپنا لیتا ہے، اور یہی اُسکی قضا و قدر کے جبر سے آزادی کی دلیل ہے۔ سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''عارف کا اُٹھنا بیٹھنا بلکہ ہر کام اللہ کے حضور سے حکم اور نبی اللہ ﷺ کی اجازت سے ہوتا ہے۔ عارفوں کے دینی و دنیوی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔'' (۳۹)

اسی لئے، جتنا بڑا عارف ہوتا ہے، وہ ایک لحاظ سے اتنا ہی عجز اختیار کرتا ہے۔ اللہ کی عظمت و جلال کے سامنے وہ اپنے تئیں عاجز پاتا ہے اور اُسکی رحمت کی امید پر وہ رِجا بھی محسوس کرتا ہے گویا وہ حدیث کے مطابق خوف اور رِجا کے درمیان میں رہتا ہے۔ ''ہر کہ عارف تر، عاجز تر از برائے آنکہ گاہے بہ خوف و گاہے بہ رجا۔'' (۴۰) (جتنا بڑا عارف ہوگا، اُسی قدر زیادہ عاجز ہوگا، اس لئے کہ کبھی وہ خوف کے عالم میں ہے اور کبھی رجا کے عالم میں)

ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب عارف اپنا اختیار استعمال نہیں کرتا تو لوگ طعنہ زنی کرتے ہیں کہ لو بھئی، اچھا عارف یا ولی ہے جو کسی معاملے میں یہ یا وہ نہیں کر سکا مگر عارف کا حال تو بس ایسا ہی ہوتا ہے، وہ کیا کرے۔ اسی لئے سلطان صاحبؒ نے تنبیہہ فرمائی ہے: ''از طعنۂ خلق عاجز مشو اے عالم عارف!'' یعنی لوگوں کے طعن و تشنیع سے گھبراؤ نہیں اے عالم عارف!

Marfat.com

اس کی ایک اور وجہ بھی ہے۔ ایک عارف اور فقیہہ کے زاویہء نظر میں ایک بنیادی فرق ہوتا ہے۔ عارف حالات کے فطری اور قدرتی طریق کار اور معمول کو دیکھتا ہے اور اسے اپنے لئے حکم سمجھ کر اُس کے مطابق رویہ اختیار کر کے مناسب و موزوں عمل کا فیصلہ کرتا ہے مگر فقیہہ یا قانون دان ایک طے شدہ ضابطے کے مطابق چلتا ہے اور گناہ و ثواب کے فتوے دیتا ہے۔ سلطان صاحب "خضر و موسیٰ علیہ السلام کے باہمی معاملہ کا حوالہ دے کر دونوں میں فرق بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''کارِ خضر بر راہ و نظرِ موسیٰ بر گناہ'' (۴۱) (خضر کی نظر راہِ حقیقت پر اور موسیٰ کی نظر خلاف قانون حرکت پر) یہی حال فقیر عارف باللہ کا ہے کہ وہ ہر حال و احوال و مقام سے آگاہ ہوتا ہے۔ حال، ماضی اور مستقبل اُس کے نظر میں ہوتے ہیں۔ اسی کو وہ ''راہِ حقیقت'' قرار دے رہے ہیں۔

بے خوف و خطر:

عارفوں میں ایک بہت بڑی خوبی جو انہیں عام ولیوں کے درمیان متمیز کرتی ہے، یہ ہے کہ وہ ہر چیلنج قبول کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں گویا یہ الگ بات ہے کہ اللہ کی طرف سے ان کی حفاظت کے سارے اسباب موجود ہوتے ہیں مگر وہ حادثات سے نہیں گھبراتے بلکہ ان کے مقابلے سے وہ قوت حاصل کرتے ہیں۔ بادِ مخالف چلتی ہے اور حادثات کی موجیں اُٹھتی ہیں مگر عارف ہوش میں رہتے ہیں۔ اور اسم اللہ کے تصور اور ذکر الٰہی کی پناہ میں رہ کر بات کرتے ہیں اور ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ (۴۲)

عارف کا مقام:

عارف کے سامنے کسی بندش اور قید کا حجاب نہیں ہوتا۔ لہٰذا اُس کی ہر بات ''آوازِ حضور'' ہوتی ہے یعنی گفتہء او گفتہءِ اللہ بُوَد۔ اُسکا پورا وجود اللہ کی رحمت سے ڈھکا ہوتا ہے۔ اُس کا قلب عرش الٰہی ہوتا ہے اور وہ اپنے شوق بے حد سب خوش رہتا ہے۔ ''عارف بے حجاب لا ریب است و ہر سخن آوازِ حضور است و توجہء او نور است۔ وجودِ او مغفور است، قلبِ او ست المعمور

Marfat.com

است، صاحب شوق مسرور است۔" (۴۳)

سلطان صاحب مردِ عارف کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ جب خدا اُسکے ہاتھ ہے تو پھر اُسے کچھ پریشانی نہیں ہونی چاہیے اور نہ اُسے کسی سے ڈرنے کی کوئی وجہ ہے۔ وہ تو ایسا بے مثال شخص ہے کہ اُس کے آس پاس فرشتے اور ابدال اس کی حفاظت پر مامور ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں "اے عارف باللہ جب خدا تیرے ساتھ ہے، تو پھر تو کسی اور سے نہ ڈرے اور نہ ہی کسی سے کوئی امید رکھے۔ جو آدمی خدا کو اپنے ساتھ سمجھتا ہے۔ وہ خدا کے سوا نہ تو کسی کو جانتا ہے اور نہ ہی کسی کو پہچانتا ہے، اگر وہ کسی اور کو جانتا اور پہچانتا ہے تو وہ خدا سے بے گانہ اور نامرد ہے۔ اور جو کسی کو جانتا ہے نہ پہچانتا ہے۔ وہ خدا سے یگانہ و یکتا مرد ہے۔" (۴۴)

دراصل عارفِ ظاہر و باطن خدا کی قدرت اور اُسکی کاروائی سے باخبر رہتا ہے۔ جسے ہر آن الہام سے نوازا جا رہا ہو اور وارداتِ غیبی کا اُس پر نزول ہو رہا ہو، اسے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں رہتی، وہ تو لا یحتاج ہو جاتا ہے۔ امیر الکونین میں فرماتے ہیں: "عارف باللہ کو لاہوت و لا مکاں سے قوت حاصل ہوتی ہے قرب بقا باللہ اسے نصیب ہوتا ہے اور وہ خود صاحبِ نظارہ ہوتا ہے۔ اسے نفلی نمازوں اور استخارہ کی کیا ضرورت ہے؟ جو عارف ولی اللہ، عالم باللہ، معرفت توحید و وصال میں مستغرق ہے، اُسے رَمل و فال کی کیا ضرورت ہے۔ جو علم فال لوح محفوظ پر لکھے ہیں، وہ سب کے سب عارف باللہ پر منکشف ہوتے ہیں۔ جو شخص کہتا ہے، وہ نہیں جانتا اور جو نہیں کہتا، وہ جانتا ہے۔" (۴۵)

"واضح رہے کہ عارفِ خدا سے وارداتِ غیبی اور فتوحاتِ لاریبی جس کی وجہ سے محمدی معجزات وقوع میں آئے۔ آنحضرت ﷺ کی ہجرت کے بعد تصرف فضل باقی رہا۔ سو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی برکت سے اور رفاقت سے علم غیبی کا الہام پورے طور پر ہوتا ہے.......... جو شخص مین العیان کے مرتبے پر پہنچا ہوا ہے، وہ روشن ضمیر ہے۔ اُس پر ساری باتیں منکشف ہیں۔" (۴۶)

Marfat.com

یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ عارف قربِ الٰہی کے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہوتا ہے۔ وہ اللہ کے ہر کام اور ارادے سے مطلع رہتا ہے اور ہر طریقے سے واقف ہوتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا کہ عارف کے پاس تم کسی رنگ اور کسی حال میں بھی جاؤ گے تو وہ تمہیں ضرور اللہ تک پہنچا دے گا۔ وہ ایک بادشاہ کی طرح ہر قانون اور اُسکے مفاد کا علم رکھتا ہے: ''جاننا چاہیے کہ معرفت کی کیا علامت ہے اور عارف کی کونسی راہ ہے۔ اور معرفت کی علامت یہ ہے کہ قرب الٰہی حاصل ہو اور عارف کی راہ یہ ہے کہ اُس کی نگاہ دیدار الٰہی پر ہو اور وہ ہر طریقے سے واقف ہو۔ یہ مراتب سلطان العارفین کے ہیں۔'' (۴۷)

خود سلطان باھوؒ ان مراتب کے حامل عظیم ولی تھے اسی لئے بعد میں آنے والوں نے اُنہیں سلطان العارفین مان لیا اور عام طور پر اُنہیں اسی لقب سے یاد کیا۔

بار بار سلطان العارفین سلطان باھوؒ یہ بات دُہراتے ہیں کہ ''عارفِ باللہ شدن خیلے مشکل'' (عارف باللہ ہونا، بہت مشکل کام ہے) اور ہزاروں میں سے کوئی ایک عارف ہوتا ہے مگر جب ایک مردِ حق عارف ہو جاتا ہے تو اُس کی نظرِ کیمیا اثر ایسی ہوتی ہے کہ اُسکے پاس آنے والے بھی عارف ہو جاتے ہیں۔ عارف تو ایسا ہوتا ہے کہ اگر اُس سے کوئی غلطی بھی سرزد ہو جائے تو اُس سے بھی قدرت خداوندی کوئی نہ کوئی فائدہ کی صورت پیدا کر دیتی ہے: ''عارف مثل معشوق اللہ بلکہ گناہ ایشاں ثواب۔ کہ مع اللہ غرق بے حجاب۔ فِیمَا بَیْنَ الْعَبْدِ و بین اللّٰہ حجب حجاب پردہ نماند۔'' (۴۸) (عارف اللہ کے معشوق کی طرح ہے۔ بلکہ اُس کا گناہ بھی ثواب۔ وہ اللہ کے معیت میں غرق ہوتا ہے بے حجاب۔ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی حجب حجاب نہیں رہتا۔)

عارف کا پورا وجود روحانی توانائی کا مصدر اور منبع بن جاتا ہے اور اُسکے وجود سے روحانی معرفت کی کرنیں پھوٹتی ہیں اور ان سے جو ارتعاش پیدا ہوتا ہے، وہ دور دور تک دنیا کے ہر کونے میں موجود ولیوں اور عارفوں کو فیض یاب کرتا رہتا ہے۔ ''عارف باللہ را بہ ہر موئے لشکرِ

Marfat.com

شوق فوج در فوج'' (۴۹) (عارف باللہ کے ہر رونگٹے میں لشکرِ شوق فوج در فوج) اور وہ خود کو عام طور پر پوشیدہ رکھتا ہے۔ سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے خود اپنے تئیں اس قدر پوشیدہ رکھا کہ ان کے دور کے لکھے تذکروں میں ان کا ذکر تک موجود نہیں۔ فرمایا

مرد آں باشد بہ پوشد خویش را
راہِ عرفاں ایں بود درویش را

(مرد وہ ہوتا ہے جو خود کو چھپا کر رکھے کہ درویش کے لئے عرفان کی راہ یہی ہے)

عارف باللہ وہ برگزیدۂ ہر دو جہاں بزرگ ہوتا ہے کہ جو عالم، صاحب تفسیر اور صاحب تاثیر ہوتے ہوئے لوگوں میں ایسے ملا رہتا ہے جیسے، شکر در شیر و شیر در شکر''

''این است عارف باللہ کہ مردہ دل را زندہ کند بانظر۔'' (۵۰) (یہ ہے عارف باللہ جو مردہ دل کو نظر سے زندہ کر دیتا ہے)

اس حقیقت کے باوجود کہ عارف اپنے تئیں گمنام رکھتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اُس کی وہ خوبی جو فقیری و درویشی میں اُسکا طرۂ امتیاز ہوتی ہے، چھپی رہ نہیں سکتی، اُسکی زندگی میں یا اُس کی زندگی کے بعد وہ معرفت ضرور ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا: جان لو کہ تین چیزیں پوشیدہ نہیں رہ سکتیں، خواہ کوئی ہزاروں پردوں میں بھی انہیں چھپا کر رکھے، ایک آفتاب دوسرا مُشک عطر معطر دین محمدی ﷺ لا اِلٰـہ الا اللّٰہ محمد رسولُ اللّٰہ تیسرا اِلّا اللّٰہ عارف باللہ!'' (۵۱)

سلطان العارفین کی عارفوں کے لئے تنبیہہ:

عارف کے اس مقامِ بلند کے ہوتے ہوئے بھی سلطان العارفین سلطان باہوؒ عارفوں کو تنبیہہ فرماتے ہیں کہ شیطان کے فتنوں سے غافل مت رہو، شیطان عارف باللہ فقیر ولی اللہ کو سات عادات وافعال کی طرف مائل کرتا ہے:

۱۔ سکوت بے اشتغال اللہ یعنی اللہ کے ذکر کے بغیر خاموشی اختیار کر لینا۔

Marfat.com

۲۔ جنگلوں میں تنہا رہنا کہ نماز با جماعت چھوٹ جائے۔

۳۔ مال دنیا جمع کرنا اور سمجھنا کہ میں انہیں مستحق افراد یعنی غریبوں، درویشوں، بیوہ عورتوں، یتیموں، مسکینوں اور عاجزوں میں تقسیم کروں گا۔ زکوٰۃ تک نہ دینا۔

۴۔ اپنے کشف و کرامات پر مغرور ہونا اور اَنا کا اظہار۔

۵۔ علم و علماء کے کہنے کے خلاف چلنا۔

۶۔ طالب کو کہنا کہ تیرا مرتبہ تو مرشد سے بھی بڑھ گیا اور ساتھ ہی شیطانی تماشے دکھانا، اور اس طرح اُسے مرشد سے مردود کر کے ہٹا لینا۔

۷۔ آخر میں وہم کہ بس اب اَنْتَ انا و اَنَا انت کا حال ہے تو ظاہری عبودیت کی کیا حاجت ہے، ذکر اسم اللہ تو نام کا ہی ذکر ہے سب، تو اب اللہ کو دیکھنے لگا ہوں۔

سلطان صاحب فرماتے ہیں کہ اس موقع پر مرشد کی نگرانی ہی کسی سچے طالب کو اِن میلانات و عادات سے بچاتی ہے۔ فرمایا:

''دین راہ مرشدِ کامل باید صاحب توفیق، دوام بر گردن سوار ہمراہ رفیق، ہر حال ظاہر باطن قال افعال اعمال، کارِ خود را بخدا اسپارَد و خود را درمیان نیارَد۔'' (۵۲)

(اس راہ میں مرشد کامل صاحبِ توفیق ہونا چاہیے جو ہر وقت طالب کی گردن پر سوار ہمراہ ساتھ رہے اور طالب ہر حال میں ظاہر باطن قال، افعال اور اعمال اور اپنے کام کو خدا کے سپرد کرے اور خود کو درمیان میں نہ لائے۔)

Marfat.com

عشق

حضرت سلطان باہوؒ کی مابعدُالطّبیعات میں عشق ایک بنیادی قدر ہی نہیں، ایک بنیادی رکن ہے۔

دراصل جذبۂ عشق ایک عالمگیر فطری حقیقت ہے۔ گو اس حقیقت کے کئی درجے ہیں اور ہر ایک کی کیفیات اور فیض مختلف ہیں مگر اس کی جانکاری سے کوئی بندہ محروم نہیں، اسکی کوئی نہ کوئی کیفیت تو ہر کہ دمہ کے تجربے میں ضرور آتی ہے کیونکہ اس کی اصل اُسکی فطرت میں ہے۔

شاعروں نے جہاں تک ان کے جذبہ و تخیل نے رسائی کی، اُس کے گیت گائے۔ یہاں تک کہ سارا جہاں ان کے نغموں سے گونج اُٹھا۔ فقیروں اور ولیوں اور نبیوں کی اپنی واردات تھی جن میں سے بعض کو انہوں نے ظاہر کیا اور بعض کے اظہار کے لئے ان کو موزوں زباں نہ مل سکی۔ چنانچہ اُن کی تفہیم کے لئے انہوں نے کبھی علامات اور تماثیل کا رنگ اختیار کیا اور کبھی بس چُپ ہو کے رہ گئے۔

حضرت سلطان باہوؒ کا الہامی رسالہ ''روحی'' ایک حدیث قدسی کے حوالہ کے بعد شروع ہوتا ہے:

''ذاتِ سرچشمۂ چشمانِ حقیقت ھاھویت، حضرتِ عشق، و بالائے کونین، بہار گاہ کبریا تختِ سلطنت آراستہ، از کمالِ عبرتِ ماہیت ذاتِ پاکش ہزاراں ہزار بے شمار قوافل عقل سنگسار۔'' (۱)

(حضرت عشق نے کہ جس کی ذات حقیقت ھاھویت کی آنکھوں کا سر چشمہ ہے یعنی اُس کے نور کا مصدر ہے، دونوں جہاں کے اوپر بارگاہ کبریا میں تختِ سلطنت آراستہ کیا۔ اُس کی

Marfat.com

ذات پاک کی ماہیت کے کمالِ عبرت سے ہزاروں ہزار بے شمار قوافل سنگسار ہو گئے یعنی اُس کی حقیقت کو نہ پا سکے)

یہاں سے جو عبارت ''حضرت عشق'' کے ذکر سے شروع ہو رہی ہے۔ وہ قابلِ غور ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم عام طور پر اللہ کے نام سے شروع کرتے ہیں۔ یہ عشق ذاتِ حق کی ماہیت ہے یا یوں کہیے کہ جیسے راقم نے ان کلمات کی شرح کرتے ہوئے لکھا تھا:

''ذات کی تجلیات عشق کی بدولت ہیں۔ کیونکہ عشق کے ذریعہ سے ہی ذات دیکھتی اور عمل پیرا ہوتی ہے۔ گویا عشق ذاتِ حق کے اندر ایسا باطنی جذبہ ہے جس کے جوش سے کائنات وجود میں آئی۔''

اب اس موقعہ پر راقم کو اجازت دیجئے کہ نئے سرے سے وہی باتیں لکھنے کی بجائے شرح رسالہ روحی سے اِسی عبارت کے چند پیراگراف دہرا دیئے جائیں:

''ایک حدیث قدسی بیان کی گئی ہے: اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الْعِشْق یعنی سب سے پہلے عشق کا ظہور ہوا اور اس عشق کو بھی ذات ہی کہیں گے کیونکہ اس کے بارے میں مقام عشق کے حوالہ سے سلطان صاحب قُدِسَ اللہ سرّہ نے فرمایا ہے کہ عشق وہ ہے کہ وہاں نہ جسم ہے نہ جاں نہ ذکر رحمٰن۔ (جامع اور سراد صفحہ ٦٠)

''سیدنا غوث الاعظمؒ کی الہامی تصنیف الرسالۃ الغوثیہ میں آیا ہے کہ غوث الاعظم نے فرمایا: میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، پھر میں نے سوال کیا: رب! عشق کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: اے غوث الاعظم! عشق میرے لئے کر، عشق مجھ سے کر اور میں خود عشق ہوں اور اپنے دل کو، اپنی حرکات کو، میرے ماسوا سے فارغ کر دے!

''چونکہ عشق ذاتِ خداوندی کا ہی باطنی جوش ہے لہٰذا اس کا تعلق ازل اور ابد یا کونین سے نہیں بلکہ ان سے ماورا یہ اُس کی کبریائی کے دربار میں شاہی تخت بچھائے، حکومت کر رہا ہے۔ غور کرنے پر دنیا میں بھی اُسکی شانِ کبریائی کا مظاہرہ صاف نظر آتا ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِيَاءُ فی

Marfat.com

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْم (اور اُسی کے واسطے ہی بزرگی ہے آسمانوں اور زمین کے بیچ اور وہی غالب ہے حکمت والا۔ س ۴۵۔۳۷) گویا قدرت کا سارا نظام نا صرف عشق کی بدولت ظہور پذیر ہوا ہے بلکہ عشق کی سیاست ہی اسے مربوط و منظم اور مطیع و فرمانبردار رکھے ہوئے ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جس عشق کی تعریف کی ہے، وہ یہی جذبہء حق ہے لہٰذا خود حق ہے۔

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام
عشق دمِ جبرئیل، عشق دلِ مصطفٰے
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کے مضراب سے نغمہءِ تارِ حیات
عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات

''مولانا رومؒ نے فرمایا تھا:

در نگنجد عشق در گفت و شنید
عشق دریائیں قعرش نا پدید

(عشق گفت وشنید میں نہیں سما سکتا، عشق ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی گہرائی کا پتہ نہیں چلتا)

''یا عراقیؒ نے کہا ہے:

ساز طربِ عشق کہ داند کوچہ ساز است
کز زخمہء نہ فلک اندر تگ و تاز است

(کون جانتا ہے کہ عشق کے شوق و نشاط کا ساز کیا ہے کہ اُسکے زخم سے نُو افلاک حرکت میں ہیں)

Marfat.com

''جس طرح ذاتِ باری تعالیٰ کی حقیقت تک جیسی کہ وہ ہے، انسانی فہم کی رسائی ممکن نہیں، اسی طرح عشق کو کما حقہ، سمجھنا بھی کسی کے بس کی بات نہیں۔ حکمتِ رومیؒ، کے مصنف نے لکھا ہے: جذب و عشق کی کیفیتیں مختلف ہیں مگر ان کے پاس محبت یا عشق کے علاوہ اور کوئی الفاظ نہیں۔ (حکمت رومی۔ ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم صفحہ ۲۳)

''جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، حق اور عشق کا مطلب ایک ہی ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اپنے چچا ابوالرضاؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ صوفیاء کی اصطلاح میں حقیقت الحقائق کو عشق کہا جاتا ہے۔ (انفاس العارفین شاہ ولی اللہ دہلوی۔ صفحہ ۲۳۰)

''ڈاکٹر خواجہ عبدالحکیم نے حضرت مولانا رومی کا قول دُہرایا ہے: اگر عشق نہ ہوتا تو کیسے کوئی چیز وجود میں آتی؟ اور اگر محض عشق کی بدولت ایسا نہ ہوتا تو میں (خدائے تعالیٰ) آسمانوں کو کیسے وجود میں لاتا۔ (The metephysies of rumi, Chapte V, Love)

''سر احمد حسین نے فلاسفی آف فقیرز میں لکھا ہے: ایک صوفی کے نزدیک خدا اور عشق ایک دوسرے کے مترادف اصطلاحات ہیں اور موجود کی تعریف میں دونوں یکجا ہیں۔ (صفحہ ۳۱) اس کے آثار و تجلیات تو نظر آتے ہیں مگر اس کی ذات کے فہم سے عقل تجزیہ کار عاجز ہے کیونکہ یہ بارگاہ کبریا کی بات ہے اور جیسا کہ خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے کہا ہے: سَرا پرادۂ حرم کے اندر کیا ہے؟ یہ کوئی آج تک نہ جان سکا اور بتا سکا نہ آئندہ جان اور بتا سکے گا۔ (حقیقت وحدت الوجود۔ صفحہ ۵۰)

''مولانا رومؒ نے فرمایا:

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیاں
چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں
گرچہ تفسیر زباں روشن گر است

Marfat.com

لیکن عشقِ بے زباں روشن تر است

(عشق کی جتنی بھی شرح بیان کروں، جب عشق کی حقیقت بیان کرنے کا مرحلہ آتا ہے تو شرمندہ ہو کر رہ جاتا ہوں۔ اگرچہ زبانی تفسیر وضاحت کے لئے ہوتی ہے لیکن عشق ایسا ہے کہ زبان کے بغیر یہ روشن تر دکھائی دیتا ہے)

''یہی بات ذات الٰہی کے بارے میں کہی جاسکتی ہے:

ہرچہ اندیشی پذیرائے فنا است

و آنکہ در اندیشہ ناید، خدا است

(جو کچھ تو سوچتا ہے وہ فنا ہو جانے والا ہے اور جو تیری سوچ میں نہیں آسکتا، تو وہ خدا ہے)

''......عشق کو لوگوں نے اُس کے اثر و عمل سے تو جان لیا مگر اُسکی کُنہ یا حقیقت کو نہ پاسکے۔ عقل کے ہزاروں ہزار قافلے سنگسار ہو گئے یعنی فلسفیوں نے یکے بعد دیگرے یا باہم مل کر لاکھ عقل دوڑائی مگر اُسکی ماہیت کو نہ جان سکے۔ وہ اس کی ماہیت کو کیسے جان سکتے تھے؟ کیونکہ وہ تو ذات باری تعالیٰ کی باطنی ماہیت ہے۔ ہوسکتا ہے، آج کے دور میں لوگ اسے اپنی زبان میں جذبۂ تخلیق کا نام دینا چاہیں مگر عشق محض جذبۂ تخلیق بھی نہیں، وہ تو بعینہٖ ذاتِ حق ہے اور عقل لاکھ سر پٹکے، اس کی اصلیت کو نہیں جان سکتی۔'' (۲)

چنانچہ سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے جب بھی عشق اور اہل عشق کی حقیقت و فطرت بیان کرنے کی سعی فرمائی تو تمثیلی اور علامتی زبان استعمال کی۔ مثلاً جب آپ فرمانا چاہتے ہیں کہ اہل عشق کی فطرت میں سکر کا جذبہ غالب ہوتا ہے یا وہ ہمیشہ مستی کی کیفیت میں غرق رہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں:

''جس روز حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اہل عشق کو اپنے علم قدرت سے عالم موجودات میں پیدا کرنا چاہا تو زمین اور خاک کو شوق اور اشتیاق کی نگاہ سے دیکھا اور اس تجلی اور اسرار عشق سے

Marfat.com

اُس پر نظر کی جس سے زمین جنبش کرنے لگی اور شروع میں ہی عالم میں مستی کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ 'میں دیدار الٰہی کا مشتاق ہوں'، زمین سے فریاد اٹھنے لگی۔ انجام کار دنیا میں اور دریائے محبت میں سُکر کو غالب کر دیا......'' (۳)

چنانچہ وہ صوفیاء بھی جو صحو (عام عقلی شعور) کو زیادہ اہمیت دیتے ہیں، اس امر کا اقرار کرتے ہیں کہ چندے سُکر سر صورت ایک سالک کے لئے ضروری ہے، اگر سُکر نہیں تو وہ بہت زیادہ دور تک آگے نہیں جا سکے گا اور یہ سُکر (مستی کی کیفیت) عشق کے احوال میں سے ایک ہے۔

عشق کو جس زاویے سے دیکھیں، اس کی الگ شان نظر آتی ہے اس کا ہر پہلو، ہر مرتبہ اور ہر صفت حیرت افزا ہے۔

سلطان باہوؒ اپنے طریق کے مالک کو درویش اور فقیر کہتے ہیں۔ جو فقیر ہے، عاشقِ خدا ہے۔ فقیر کے وہ دو مراتب بیان فرماتے ہیں۔ پہلے فقیر اللہ سے عشق کرتا ہے۔ یعنی وہ عشق کی ساری شرائط پوری کرتا ہے اور ایک شرط جس میں سب شرائط آ جاتی ہیں، وہ ہے جان نثاری اور جانبازی۔ چنانچہ جب وہ کامیاب ہو جاتا ہے تو پھر خود اللہ اُس سے عشق کرتا ہے اور وہ اُس کا معشوق ٹھہرتا ہے۔ یہ فقر میں عشق کا آخری مرتبہ ہے۔ یہاں یہ ہوتا ہے کہ ''آنچہ معشوق می خواہد، عاشق محاہد بلکہ آنچہ بخاطرِ معشوق بگزرد، عاشق آگاہ شور عاشق مطالب معشوق بہ نگاہ محاہد۔ درمیان عاشق و معشوق چہ فرق است؟۔ مطالعہء یُحِبُّھُمْ و یُحِبُّوْنَہٗ بیک دیگر یکتا و غرق است۔'' (معشوق جو کچھ چاہتا ہے عاشق دے دیتا ہے بلکہ جو کچھ معشوق کے دل میں آتا ہے عاشق اُس سے آگاہ ہو جاتا ہے، عاشق معشوق کے مطالب کو ایک ہی نگاہ سے عطا کر دیتا ہے یُحِبُّھُمْ و یُحِبُّوْنَہٗ کے مطالعہ سے ظاہر ہے کہ عاشق و معشوق ایک دوسرے میں غرق یکتا ہو جاتے ہیں۔''

ایک اور نکتہ سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے یہ بیان کیا ہے کہ فقیر جو عاشقِ خدا ہے

Marfat.com

وہ حضرت محمد مصطفٰی علیہ صلی اللہ کا معشوق ہے۔

مولانا روم نے فرمایا تھا:

دعوئی عشق آسان است

لیک او را دلیل و برہان است

عشق کا دعویٰ تو آسان ہے مگر اُسکے لئے کوئی دلیل اور ثبوت بھی تو چاہیے۔ سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قاضی عشق اس معاملے میں دو گواہ طلب کرتا ہے۔ ایک تو ہے حب مال و جاہ سے دوری و بیزاری اور دوسرا ہے شرک و کفر و بدعت سے توبہ و استغفار۔ ان دونوں کے ساتھ دو محرک جذبے لازم ہیں۔ ''یکے ذوق لا زوال، دوم شوق باوصال''

صوفیاء کی اصطلاح میں ذوق اُس کیفیت کو کہتے ہیں، جو شراب کے نشے کی صورت میں، محبوب سے گفتگو کے دوران میں اور اُسکے حسن کو دیکھ کر عاشق کے تجربے میں آتی ہے۔ ''مشاہدہ حق کا پہلا اثر ذوق ہے اور انتہائی اثر وہ ہے جس کے بیان کی اس قلم میں قدرت نہیں۔'' (۵)

شوق اس جذبے کو کہتے ہیں جو محبوب کے دیدار کے لئے جوش میں آتا ہے اور جب وہ اسے دیکھ لیتا ہے تو اس جوش میں سکون ہو جاتا ہے۔ (۶) (اسی کو سلطان صاحب نے شوق و باوصال فرمایا ہے)

شاہ محمد ذوقی نے حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ شوق عموماً غائب چیز کے لئے پیدا ہوتا ہے برعکس ذوق کے جو حاضر پر یعنی کسی چیز کو دیکھ کر پیدا ہوتا ہے۔ (۷)

حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے فقیر کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ وہ لوگ جو ریاضت و مجاہدہ اور محنت و مشقت سے راہ طے کر کے پہنچتے ہیں، سالک کہلاتے ہیں۔ مگر کچھ لوگ جو جذبے اور عقیدت سے آگے بڑھتے ہیں۔ عاشق کہلاتے ہیں۔ سلطان صاحب کہتے

Marfat.com

ہیں کہ سالک کی انتہاء عاشق کی ابتداء ہے۔(۸) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان صاحب بھی ان مرشدوں میں سے ہیں جو پہلے ہی مرید کو جذب میں لے آتے ہیں جب کہ ہندوستان میں ایک طریق کے مرید کو ریاضتوں کے بعد جذب میں لاتے رہے ہیں۔

دراصل شروع میں ہی اگر جذب طاری کر دیا جائے تو مرشد کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔اسے ہمہ وقت مرید کے حال کا نگران ہونا پڑتا ہے۔

باغباں دے بوٹے وانگوں طالب نِت سنبھالے ھو

(باغباں کے پودے کی طرح مرشد طالب کو ہمیشہ سنبھالے رہتا ہے)

سلطان صاحب کے نزدیک عشق حقیقی یہ ہے کہ ''بجز یادِ حق دیگر نماند (اُس میں حق کی یاد کے علاوہ کچھ نہ رہے) یعنی اپنے پورے شعور کے ساتھ عاشق حقیقی اللہ کی یاد میں رہے۔ یہ یاد صرف ذکر و فکر میں ہی نہیں بلکہ تمام اعمال و افعالِ ظاہری و باطنی میں عاشق اس طرح اپنے آپ کو حق کے سپرد کر دے کہ وہ سراپا حق ہو جائے عشق مجازی ان کے نزدیک یہ ہے کہ وہ عشق کی کیفیات میں دلچسپی لیتے ہوئے ''ذکر، سکر، مستی، وجد، جذب'' سے گزرے۔اس میں خدشہ یہ ہے کہ مجذوب ہو کے ہی نہ رہ جائے اور شاید عشق کے آخری مراحل میں اُس کا شعور اُس کا ساتھ دے یا نہ دے۔بس دیوانہ ہو جاتا ہے۔(۹)

عاشقی میں اس قدر اسرار عاشق پر کھلتے ہیں کہ فقیر عاشق سِرِّ خدا ہو جاتا ہے۔ پھر ضبط اُس پر فرض ہو جاتا ہے، اُسے کبھی کوئی سِرّ (بھید) ظاہر نہیں کرنا چاہیے۔ ورنہ ''ہر کہ فاش کُند سِرّ، سِرّ سَر را بگیرد'' (جو سِرّ کو فاش فاش کرتا ہے، سِرّ اُس کا سر لے لیتا ہے)(۱۰)

وہ جو اپنی فطرت میں عشق لے کر آتا ہے اسے سوائے اپنے مطلوب و مقصود کے کسی سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ اسی لئے وہ کسی مکان کا پابند ہوتا ہے نہ مقام کا۔ بس وہ عاشق ہوتا ہے۔ اُسکی نگاہ صرف ایک مرکز پر جمی رہتی ہے۔ وہ ہر شے کی قدر و قیمت اور اُس سے وابستگی مرکز کے حوالے سے ہی دیکھتا ہے۔

Marfat.com

باہو! مرا زورِ ازل زحیلِ عاشقاں نوشت

عاشقاں را چہ مسجد چہ کشت، چہ دوزخ چہ بہشت

(باہو، مجھے اللہ نے روز ازل سے ہی عاشقوں کے گروہ میں لکھ دیا۔ عاشقوں کو بھلا مسجد وکشت و دوزخ و بہشت سے کیا کام؟)

عشق کو اکثر آگ سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ (ہے یہ وہ آتش غالب) اس آگ میں محبوب کے سوا سب کچھ جل جاتا ہے۔ اور پھر ہر قسم کے خطرات، اوہام، وساوس ختم ہو جاتے ہیں۔(11)

حضرت سلطان باہوؒ نے کئی دوسرے صوفیاء کرام کی طرح عشق ومحبت کے مدارج بیان فرمائے ہیں اور نہ ہی ترتیب سے ان کو تجزیاتی طریق کے ساتھ پرکھا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اصل میں یہ صرف جذبے کا معاملہ ہے اور جذبے کو تجرباتی طریق سے بیان کرنا ایک قسم کی زبردستی ہے۔ جذبہ آزاد ہے اور اُسکی کیفیات بھی آزاد ہیں۔ ان کے اظہار و ابلاغ کے لئے صرف شاعری ہی کام آسکتی ہے۔ چنانچہ ان کے فارسی دیوان اور پنجابی سی حرفی اس کا واضح ثبوت پیش کرتی ہے۔ جیسے پہلے عشق و آتش کی بات ہوئی، سلطان صاحب عشق جان سوزان'' سے کہتے ہیں:

بیا اے عشقِ جان سوزان کہ من خودرا بتو سوزم

اگر سوزی وگرنہ من یقین خودرا بتو سوزم

(اے جان کو جلانے والے عشق! آجا، میں اپنے آپ کو تجھ سے جلا ڈالوں، اگر تو جلا دے (تو مرحبا!) ورنہ میں یقیناً اپنے آپ کو تجھ سے جلا ڈالوں گا)

عشق بازی دراصل جاں بازی ہے۔ یہاں تو جان فدا کرنا پڑتی ہے:

بیازی عشق می بازم، دِل و جاں را فدا سازم

بدم منصور محا نازم، یقین خود را فدا سازم

Marfat.com

(میں عشق کا کھیل کھیل رہا ہوں، دل و جان قربان کر رہا ہوں۔ منصور کی طرح فخر کر رہا ہوں، یقیناً خود کو قربان کر رہا ہوں)

تنبیہ فرماتے ہیں:

عشق آساں نیست، مشکل کارہا

عشق اس لئے آساں نہیں کہ پہلے ہی ہلّے میں صبر و قرار رخصت ہوتے ہیں اور پھر نہ دن کو چین اور نہ رات کو آرام

مبتلا درعشق گشتم صبرِ ما یاراں کجا است

....

جانم بمب آمد، رخِ دِلدار کجا است

....

عارفاں گفتہ اند در رہِ عشق
صبر باید تُرا، دِگر بگذار

(عارفوں نے کہا ہے، کہ عشق کی راہ میں تجھے صبر چاہیے اور باقی سب کچھ چھوڑ دو)

اور پھر ''عشق ہی عشق ہے جدھر دیکھو'' اسکی کوئی انتہا نہیں ہے۔

نہایت نیست عشق را یار

عشق میں اس قدر گہرائی ہے اور اس میں استغراق کی وہ کیفیت ہے کہ

می نالم از عشقِ تو جاں را خبرے نیست
بیمارم غمخوارم، کس را خبرے نیست

بس آنکھیں جمال الٰہی پر لگی ہیں اور کسی سے سروکار نہیں!

بہر حالی جمال اللہ جویم
بہر قالی جمال اللہ جویم

....

Marfat.com

بہر ذرہ جمال اللہ جویم

(ہر حال میں اللہ کا جمال ڈھونڈتا ہوں، ہر بات میں اللہ کا جمال تلاش کرتا ہوں............

ہر ذرہ میں جمال اللہ کی جستجو میں ہوں)

ڈاکٹر اَنے ماری شمل نے دیوان باہو کے انگلش ترجمے کے دیباچے میں لکھا:

''سلطان باہوؒ کی شاعری ایک دانشور مفکر کی شاعری نہیں بلکہ یہ دل سے نکلی ہلکی ہلکی آہیں ہیں............

یہاں ''صوفی شاعر اپنا دل انڈیل کے رکھ دیتا ہے فریاد کرتا ہے اور اپنے محبوب کی یاد میں آہیں بھرتا ہے۔'' (۱۲)

عشق (ابیات باہوؒ کے مطالعہ کی روشنی میں):

عشق اور فقر:

فقر، فکر و نظر بھی ہے اور راہِ عمل بھی اور بالآخر مقصد و منزل بھی!

عشق فقر کا ہم راہ بھی ہے اور رہبر بھی ہے اور انجام کار دونوں کی منزل ایک ہو جاتی ہے۔

فقر، فکر و نظر کے لحاظ سے اللہ کے سوا سب سے بیگانگی و علیحدگی اختیار کرتا ہے، اپنا کچھ بھی نہ رہے، باقی رہے نام اللہ کا!

سلطان باہوؒ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں:

''بشنو اے اہل حق شناس! پیوستہ با خدا باش و ہر چہ ماسوی اللہ از لوحِ دل بتراش کہ بجز ذات حق دیگر نماند''

(اہل حق شناس سن لو! ہمیشہ خدا کے ساتھ رہو جو کچھ اللہ کے بغیر لوح دل پر ہے اسے ''کھرچ'' ڈالو کہ ذاتِ حق کے سوا اور کچھ باقی نہ رہے)

Marfat.com

فقر کی راہِ عمل بڑی سخت ہے مگر دلکش بھی، فقیر ہمیشہ ''لذتِ آزار'' سے سرشار رہتا ہے اور چلتا چلا جاتا ہے۔

عشق اور فقر کا مقصد اور منزلِ آخریں:

عشق پہلے تو ایک سبب اور ذریعہ نظر آتا ہے مگر آخر میں یہ بات منکشف ہوتی ہے کہ یہی تو منزل ہے۔ اوّل عشق اور آخر میں بھی عشق! (عشق ہی عشق ہے جدھر دیکھو) عشق و عاشق و معشوق سبھی ایک۔ ''خود عشق، خود عاشق، خود معشوق، خود نظر، خود ناظر، خود منظور۔ (رسالہ روحی شریف)

عشق جو فقر کو تھامے رکھتا ہے، راہ دکھلاتا ہے اور دل و جاں کو زندہ رکھتا ہے، کئی رنگ دکھاتا ہے۔ عشق سب سے پہلے تو علم تجربہ سے آشنا کرتا ہے یہاں سنی سنائی اور ظاہری علوم اور درسی کتابوں کی افادیت کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

عقل فکر دی جا نہ کائی، وحدت سرِ سُبحانی ھو

''مقامِ وحدت اللہ پاک کا ایک بھید ہے، عقل فکر کی وہاں گنجائش نہیں۔''

عقل فکر دیاں سب بھل گئیاں، عشقے نال جاں رلیا ھو

''جب عشق سے آشنائی ہوئی تو عقل، فکر کی سب باتیں بھول گئیں۔''

عقل فکر دی پہنچ نہ باھوؔ فانی فہم کچیوے ھو

''وہاں عقل فکر کی رسائی نہیں، وہاں فہم وادراک ختم!''۔

حتیٰ کہ الہامی و ''آسمانی'' کتابوں کا معروف علم بھی پیچھے رہ جاتا ہے کیونکہ علم سے بڑھ کر اب تجربہ و مشاہدہ ایک نئے ذوقی علم سے آشنا کرتے ہیں۔ اس مقام پر جو کچھ پہلے پڑھا تھا وہ ادراک و وجدان کے ذریعہ جسم و قلب و روح میں اتر جاتا ہے۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ فقیر خود ایک طرح ''کتاب'' بن جاتا ہے۔ اب دین و ایمان سب عشق ہے۔

Marfat.com

فقیر کو عشق زندگی کی جس رنگا رنگی سے دو چار کرتا ہے اس کی ظاہر میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ فقیر جو طریق کا سالک ہے، حیران رہ جاتا ہے۔

عشق دی بازی ہر جا کھیڈی شاہ گدا سلطاناں ھو
عالم، فاضل، عاقل، دانا چا کردا حیراناں ھو

''سلطان، شاہ و گدا سب نے عشق کا کھیل کھیلا! عالم، فاضل، عاقل جب عشق میں پڑے تو حیران کھڑے رہ گئے''

فقیر حیران و سرگرداں کیوں نہ ہو، یہاں تو خود ذاتِ حق ''حضرت عشق'' تماشائی ہے۔

''سبحان اللہ! از اجسامِ عناصرِ خاکی، بہزار مظہر، ظہورِ آثارِ احوال وجلالِ قدرت ہائے کاملہ، آئینہء باصفا ساختہ، تماشائے روئے زیبا می فرماید''۔

''سبحان اللہ! خاکی عناصر کے اجسام سے، اپنی کامل قدرتوں کے آثارِ جمال وجلال کے ظہور کے لئے، ہزاروں مظاہر کو آئینہ باصفا بنائے، اپنے روئے زیبا کا نظارہ کر رہا ہے''۔ (رسالہ روحی)

ذاتِ حق بھی تماشائی اور بندۂ حق بھی تماشا، ذاتِ حق بھی عاشق اور بندۂ حق بھی عاشق۔ ذاتِ حق تو پھر ذاتِ حق ہے مگر بندے کا کیا حال ہوگا اور کیا حال ہو رہا ہے۔

عاشق شوہدے دل کھڑایا آپ بھی نالے کھڑیا ھو

''عاشق بیچارے کا پہلے دل گم ہوا پھر اس کے ساتھ خود کو بھی گم کر بیٹھا''۔

عاشق دا دل موم برابر معشوقاں دل کاہلی ھو
طعمہ ویکھے، تُرتُر تکّے، جیوں بازاں دی چالی ھو
باز بیچارہ کیوں کر اُڈے، پیریں پیوس دوالی ھو

''عاشقوں کے دل موم کی مانند پگھلے ہوتے ہیں اور معشوق سے ملنے کے لئے بے

Marfat.com

چین رہتے ہیں.......... باز ٹکٹکی باندھے گوشت کے ٹکڑے کو دیکھتا ہے جیسے باز کرتے ہیں مگر باز بے چارہ اُڑے کیونکر؟ اس کے پاؤں تو ڈور سے بندھے ہوئے ہیں"۔

اب اگر فقیر اپنے آپ کو عشق کے حوالے کر دے تو پھر آزمائشیں شروع ہو جاتی ہیں، مولانا رومیؒ نے فرمایا ہے کہ

دعویٰ عشق آسان است
مگر او را دلیل و برہان است

"عشق کا دعویٰ کرنا تو آسان ہے مگر اس کے لئے بھی کوئی دلیل، کوئی ثبوت بھی تو چاہیے۔ یہاں وہی بات ہوتی ہے جو حافظ شیرازی نے اپنے دیوان کی پہلی غزل کے پہلے شعر میں کہہ دی تھی"۔

الا یا ایہا الساقی ادر کا سأوّ ناولہا
کہ عشق آسان نمود اوّل ولی اُفتاد مشکلہا

"اے ساقی، پیالہ لا اور مجھے دے کیونکہ پہلے تو عشق آسان دکھائی دیا مگر اب مجھ پر مشکلیں ٹوٹ پڑی ہیں"۔

عشق ہوا ہے تو اب مددگار بھی عشق ہی ہوگا..........شوق و اشتیاق بڑھتا رہے تو مشکلیں دور ہوتی چلی جاتی ہے، نوشندۂ شراب کا علاج مزید شراب اور سختی ہائے عشق کا علاج مزید عشق!

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کے حوصلے سے زیادہ مشکل میں نہیں ڈالتا مگر جن کے حوصلے زیادہ ہوتے ہیں، ان کو جہاں آزمائشوں اور مشکلوں سے گزارتا ہے وہاں مقام بھی عالی اور عالی ترین عطا کرتا ہے۔

جب حضرت سلطان باہوؒ عشق کی گوناگوں ابتلاء کا ذکر کرتے ہیں تو عشق و ہوس کا فرق پہلے قدم پر ہی معلوم ہو جاتا ہے۔ ہوس تو مکھی سے بھی کم ہمت ہے یہاں تو شہباز کی ہمت

Marfat.com

درکار ہے۔ حافظ نے کیا خوبصورت بات کہی:

دولتِ ہُمایوں طَلَب و سایہء او

کہ با زاغ و زغن شہپرِ دولت نبود

''ہما کی دولت اور اس کے سائے کی طلب کر کیونکہ کوّوں اور چیلوں کے ہاں دولت کے حصول کیلئے شہپر نہیں ہوتے''۔

اب یہاں زاغ و زغن کو چھوڑ کر صاحب دل مردوں کے ہمراہ عشق کا سفر طے ہوتا ہے:

''راہِ مرداں گیروبا صلاحبدلاں ہمراز شو''

جب عشق کا جذبہ اٹھتا ہے تو فقیر اللہ کے فضل اور رحم کے ساتھ ہی اس کی تاب لا سکتا ہے۔ سلطان باہوؒ خبردار کرتے ہیں:

عشق ہوویں عشق کماویں، دل رکھیں وانگ پہاڑاں ھو

لکھ بدیاں تے ہزار اُلاہمے، جانیں باغ بہاراں ھو

''عاشق ہو کر عشق کرتے ہو تو دل کو پہاڑوں کی طرح مضبوط رکھو! لوگ لاکھ برائی کریں، ملامت کریں، سب باغ و بہار جانو''۔

اب یہاں مَردوں کی طرح دلیری جرأت اور بہادری کے ساتھ عشق کے امتحانوں سے گزرنا پڑتا ہے.........خوش دلی کے ساتھ سب کچھ جھیل جانا چاہیے۔

عشق محبت دے دریا وچ تھی مردانہ تریئے ھو

جتھے لہر غضب دیاں ٹھاٹھاں قدم اتھائیں دھریئے ھو

اوجھڑ جھنگ بلائیں بیلے ویکھو ویکھ نہ ڈریئے ھو

''عشق و محبت کے دریا میں مردانہ وار تیرنا چاہیے جہاں لہریں غضب کی ٹھاٹھیں مارتی ہیں وہیں قدم رکھنا چاہیے جنگلوں، سرکنڈوں کے جُھنڈ عبور کرتے ہوئے ڈرنا نہیں چاہیے''۔

Marfat.com

بعض اوقات سلطان باہوؒ اپنے ہی جذبۂ عشق کو نامدّ مقابل سمجھ کر ہموم و غمومِ عشق کا ذکر کرتے ہیں، دراصل ظاہر میں ایسے لگتا ہے جیسے عاشق پر ان ہموم و غموم نے ایک لشکر کی طرح حملہ کر دیا ہے بلکہ اسے کمزور سمجھ کر اس کے حملے بڑھتے چلے جا رہے ہیں:

عشق اسانوں لِسّیاں جاتا، بیٹھا مار پتھلاّ ھو
وچ جگر دے سَنھ چا لائیس، کیتُس کم اولاّ ھو

''عشق نے ہمیں کمزور جانا اور ڈیرہ جما کر بیٹھ رہا ہے، جگر کے اندر اس نے نقب لگائی اور بہت خرابی کی''۔

عشق اسانوں لِسّیاں جاتا کر کر آوے دھائی ھو
جِت وَل ویکھاں عشق دسیوے خالی جگہ نہ کائی ھو

''عشق، ہمیں کمزور جان کر بار بار ہم پر حملہ آور ہوتا ہے، جدھر دیکھتا ہوں عشق دکھائی دیتا ہے''۔

عشق اسانوں لِسّیاں جاتا لَتّھا مَل مُہاڑی ھو
نہ سوویں نہ سووَن دیوے جیویں بال رہاڑی ھو
پوہ مانگھیں خربوزے منگے کتھوں لیساں واڑی ھو
عقل فکر بھل گئیاں باھوؒ، عشق وجائی تاڑی ھو

''عشق نے ہمیں کمزور جانا اور دامنِ کوہ میں ہی ڈیرے ڈال دیئے، نہ سونے دیتا ہے، اس کی حالت رونے والے بچے کی سی ہے، بے موسم کے خربوزے مانگتا ہے، میں اُنہیں کس کھیت سے لے کر آؤں۔ باھو! جب عشق نے اپنا کھیل شروع کیا تو عقل و فکر کی سب باتیں بھول گئیں''۔

لیکن یہی عشق آخر میں وصالِ یار سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس کے لئے عاشق فقیر کا مرشد اس کا حاضر و ناظر معاون ہوتا ہے۔

Marfat.com

عشق ماہی دے لائیاں اگیں، لگیاں کون بجھاوے ھو
میں کی جاناں ذات عشق دی، در در جاجھکاوے ھو
نہ سووین نہ سون دیوے، ستیاں آن جگاوے ھو
میں قربان تنہاں دے باھوؔ، وچھڑے یار ملاوے ھو

''محبوب کے عشق نے آگ لگا رکھی ہے اسے کون بجھائے؟ مجھے عشق کی حقیقت کا کیا پتہ؟ (اس قدر جانتا ہوں) کہ در در پر لے جا کر جھکاتا ہے، نہ سوتا ہے نہ سونے دیتا ہے، سوئے ہوں تو جگا دیتا ہے، باھو! میں ان پر قربان جو بچھڑے یار ملا دیتے ہیں''۔

یاد رہے کہ تمام سفرِ عشق میں کسی مردِ کامل کی راہنمائی ضروری ہے ورنہ کتنے ہی اس سفر میں بے پیر اور بے استاد ہونے کی وجہ سے ضائع ہو گئے اور مرکھپ گئے۔ خود سلطان باھوؒ نے بھی یہ سفر اپنے مرشد سے ہدایت لے کر مکمل کیا:

سُن فریاد پیراں دیا پیرا، عرض سنیں کن دھر کے ھو
بیڑا اڑیا وچ کپھراں دے جتھے مچھ نہ بہندے ڈر کے ھو
شاہ جیلانی مُحبوبِ سُبحانی میری خبر لیو جھٹ کر کے ھو
پیر جنہاں دا میراں باھوؔ کنڈھے لگدے تر کے ھو

''یا پیر پیراں! میری عرض غور سے سنیئے، میرا بیڑا ایسے بھنور میں پھنسا ہے جہاں مگر مچھ بھی ڈر سے نہیں بیٹھتے، یا میراں! شہباز کی سی تیزی کے ساتھ آ کر میری مدد کیجئے۔ باھو! جن کے پیر حضرت میراں ہوں وہی تیر کر ساحلِ مراد پر پہنچتے ہیں''۔

استقامت:

عشق میں استقامت درکار ہے اور ضبطِ احوال .... عشق میں جب ایسے احوال کا سامنا ہوتا ہے کہ ہمت کے پاؤں لڑکھڑانے لگتے ہیں۔ کشف و کرامات، الہام و القاء، مافوق الفطرت واقعات، غیر مرئی مخلوقات کے ساتھ روابط، تسخیر و تصرف سب برحق مگر بعض اوقات

Marfat.com

سالک سلوک ان پر فریفتہ ہو کر انہیں کھڑا دیکھتا رہ جاتا ہے اور وقت کی تلوار اُسے کاٹ کر وہیں ڈھیر کر دیتی ہے۔ عاشق فقیر تو وہ عارف ہوتا ہے جو ہر جگہ اللہ ہی اللہ دیکھتا ہے، باقی سب راستے کے مناظر ہیں جنہیں بقول میر وہ دیکھتا ہے اور آگے بڑھ جاتا ہے:

؎ ٹک دیکھ لیا، دل شاد کیا، خوش وقت ہوئے اور چل نکلے

سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

''عارفِ واصل بہر جا دیدہ کشاید، بجز دیدارش نہ بیند و نقشِ غیر و خودی از خود بر اندازہ با مطلق مطلق شود''

''عارف واصل جہاں کہیں آنکھ کھولتا ہے اس کے دیدار کے سوا اور کچھ نہیں دیکھتا اور غیریت و خود پرستی کا نقش مٹا دیتا ہے تاکہ مطلق کے ساتھ مطلق ہو جائے''۔ (رسالہ روحی شریف)

اوائلِ فقر سے لے کر انتہائے عشق تک استقامت چاہیے۔ سلطان باہوؒ تاکید کے ساتھ لکھتے ہیں:

''فقیر باھو می گوید کہ در راہِ فقر استقامت باید نہ ہوائے نفس و کرامت''۔

فقیر باھو کہتا ہے کہ فقر کی راہ میں استقامت چاہیے نہ کہ اپنی خواہشیں اور کرامات۔

غور کیجیے کہ سلطان الفقرا، سلطان العارفین، سلطان باہوؒ ہوائے نفس اور کرامات کے منفی اثرات سے ایک ہی محل و موقع پر خبردار کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عاشق فقیر کو سب سے زیادہ خطرہ ان دونوں سے ہے۔

بہر صورت منزلِ فقر کے آخر میں فقیر عاشقِ حق کا مظہر ہو جاتا ہے:

حق دا کلمہ عاشق پڑھدے باھو فقر دے پاروں ھو

''باھو! عاشق ہی فقر میں کلمۂ حق کہتے ہیں اور پڑھتے ہیں''۔ حق حق! اندر بھی اور باہر بھی حق!

Marfat.com

وہ کاملین جو عشق اور فقر کو ساتھ لے کر چلتے ہیں بڑے اونچے مراتب پاتے ہیں۔ وہ شہبازِ طریقت ہوتے ہیں۔ ان کی زبان تخلیقی امکانات کی تعبیر کا معجزہ رکھتی ہے:

میں شاہباز کراں پرِوازاں وِچ افلاک کرم دے ھو
زباں تاں میری کُن برابر موڑاں کم قلم دے ھو

''میں شاہباز ہوں اور کرم کے آسمانوں میں پرواز کر رہا ہوں، میری زبان سے نکلی ہوئی بات ''کُن'' کے برابر ہوتی ہے۔ میں قلم کے کام پلٹ سکتا ہوں''۔

عاشقوں کی ولایت بھی خاص ہوتی ہے حتیٰ کہ تکوینی نظام کے پاسبان ولیوں سے بھی ان کے مراتب بلند تر ہوتے ہیں۔ وہ تو ظاہر باطن کے عوامل میں ''وَاللّٰهُ قَاهِرٌ فَوْقَ عِبَادِهٖ'' کے مظہر ہوتے ہیں:

غوث قطب ہُن اُرے اُریرے عاشق جان اگیرے ھو
جہڑی منزل عاشق پہنچن غوث نہ پاوَن پھیرے ھو
عاشق وچ وصال دے رہندے لامکانیں ڈیرے ھو
میں قربان تنہاں توں باھو جنہاں ذاتوں ذات بسیرے ھو

''غوث و قطب تو ادھر ہی رہتے ہیں عاشق ان سے آگے نکل جاتے ہیں، جن منزلوں تک عاشق پہنچتے ہیں وہاں تک غوث تو چکر بھی نہیں لگا سکتے، عاشق ہمیشہ وصال میں رہتے ہیں، باھو! میں ان پر قربان جنہوں نے ذات میں بسیرا کیا ہے۔''

Marfat.com

تمثیلات وحکایات وروایات حضرت سلطان باہوؒ

جب کوئی پڑھنے والا حضرت سلطان باہوؒ کی کوئی کتاب پہلی بار پڑھتا ہے تو اُسے ان کے اسلوب بیان سے موافقت اختیار کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے۔

پڑھنے والا عام طور پر معمول کے انداز میں لکھنے والے سے ایک عمومی ترتیب کا متوقع ہوتا ہے مگر یہاں اس کے بالکل برعکس وہ وجدانی اسلوب بیان سے دوچار ہوتا ہے: جس میں ایک اور ہی رنگ کی ترتیب ہوتی ہے یہاں قدم بہ قدم بات آگے نہیں بڑھتی ہے بلکہ ایک ہی بار بغیر کسی دلیل کے اور تمہید کے ایک حقیقت بیان کردی جاتی ہے مگر جیسے جیسے پڑھنے والا آگے بڑھتا جائے گا، اُس پر حقیقت کی مزید تہیں کھلتی جائیں گی۔

ایسے لگتا ہے جیسے صوفی کا درس ایک بڑے پانی کا ریلا ہے جو بڑھتا چلا جارہا ہے۔ پڑھنے والا بھی اسکی لہر کے ساتھ چلتا چلا جائے تو اس بہاؤ میں کئی رنگ دیکھتا چلا جائے گا۔

اکثر صوفیا کا اسلوب اسی طرح ہے۔

پھر سلطان صاحب جب بڑے حقائق بیان کررہے ہوں تو اُس کے لئے تمام داناؤں، صوفیوں اور استادوں کی طرح اکثر تمثیلات اور حکایات و روایات بھی وضاحت کے لئے کہتے چلے جاتے ہیں۔ کسی موقع پر وہ ایک عام سی تمثیل بیان فرماتے ہیں جس کا اسلوب اساطیر کی علامتوں کا سا ہوتا ہے کبھی وہ کوئی حکایت سنا دیتے ہیں اور اکثر وہ کسی حقیقی یا افسانوی روایت کا حوالہ دے کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم نے ایک خوبصورت کتاب ''تشبیہات رومی'' لکھی تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے مولانا کی مثنوی کی مثالوں اور کہانیوں کے بارے میں بتایا ہے کہ مولانا کا حقیقی

Marfat.com

مقصد قصہ گوئی ہرگز نہیں ہے۔ وہ تو بس "حکمت کے موتیوں کو نہایت معمولی سیپیوں سے نکالتے ہیں عوام کے مذاق کی خاطر ان کے قصوں میں اکثر اوقات ادھر ادھر بھوسا پھیلا ہوا نظر آتا ہے۔ لیکن تلاش کرنے والے کو اس بھوسے کے اندر ایسے دانے ملتے ہیں جو مرد حکیم کے لئے حکمت کا سرمایہ اور عارف کے لئے روح کی غذا ہیں۔" (۱)

ڈاکٹر صاحب نے مولانا کے حوالے سے لکھا ہے "وہ فرماتے ہیں کہ دینی و اخلاقی تعلیم سب جو قصے بیان کئے جاتے ہیں وہ تاریخی حیثیت سے بیان نہیں ہوتے۔ جو بے بصیرت شخص اس حقیقت کو نہیں جانتا وہ قرآن کریم کو بھی ھذا اساطیر الاولین کہہ کر عرفان سے بے گانہ ہو جاتا ہے۔" (۲)

داناؤں اور صوفیوں نے اکثر جگہ کسی نامور تاریخی شخصیت کے حوالے سے یا اُس کو مرکزی کردار مان کر کوئی کہانی بیان کر دی ہے تو ضروری نہیں کہ بیان کردہ واقعہ میں کوئی تاریخی صداقت بھی ہو مثلاً ایسا نہیں ہوتا کہ افلاطون کا نام لیا گیا تو یہ وہی افلاطون ہو جو یونان میں اپنی اکیڈیمی میں گفتگو کیا کرتا تھا۔ بلکہ افلاطون سے مراد ہے کوئی بھی مرد دانش مند۔ اسی طرح اگر مختلف دور سب گزر بسر کرنے والے کچھ بندوں کو اگر یکجا ظاہر کر کے کسی بات کا ذکر کیا گیا ہے تو اسے بھی تمثیلی رنگ میں دیکھنا چاہیے۔

یہاں پھر ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم مرحوم مولانا ہی کے حوالے سے بات کرتے ہیں کہ لوگ ایسے مقامات کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ مطالعہ کہاں ہوا، عالم ظاہر میں یا عالم باطن میں؟ مولانا کہتے ہیں: "تم کو قصے سے کیا غرض؟ اے بے وقوف انسان! میں تو کچھ معنی بیان کرنا چاہتا ہوں اور قصے کو یونہی بہانہ بناتا ہوں۔ تو قصے کی تفصیلات کو چمٹ جاتا ہے۔"

ڈاکٹر صاحب مرحوم اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ "کوئی مردِ حکیم کسی افسانے کو تاریخی حیثیت سے بیان نہیں کرتا۔ افسانہ تو اُسکے لئے حکمت کا ایک آلہ ہوتا ہے۔ فرضی قصوں میں نہایت بلند حقائق بیان کئے جاسکتے ہیں جو اسکندر و دارا کی تاریخی حکایت میں نہ مل

Marfat.com

سکیں۔''(۳)

سلطان باہوؒ نے بھی دانا و حکماء و اساتذہ کی طرح کئی ایسی حکایات اور تمثیلات بیان کی ہیں کہ اگر وہ نفس مضمون کو سمجھانے کے لئے انہیں نہ کہتے تو شاید اُن کی شرح و وضاحت کے لئے کئی صفحے درکار ہوتے۔

مثلاً سلطان صاحب سمجھانا چاہتے ہیں کہ مرشد مرید کے وجود کے اندر کا کھوٹا کھرا الگ الگ کر کے اُسے سمجھاتا ہے تو وہ گھی نکالنے والی عورت کی مثال دیتے ہیں جو دودھ میں لسی ڈالتی ہے دہی بناتی ہے اُس سے مکھن جدا کرتی ہے اور مکھن کو آگ پر رکھ کر گھی کو الگ کر دیتی ہے۔ مرشد بھی بتدریج اسی طرح کرتا ہے۔

تقدیر ہمیشہ تدبیر پر غالب رہتی ہے۔ اس کے لئے ایک حکایت لکھ دی کہ ایک بزرگ نے چاہا کہ یہ چیز فلاں کو پہنچے جب کہ بعد میں اُسے معلوم ہو چکا تھا کہ اُسکی قسمت میں یہ نہیں ہے۔ چنانچہ اُسکی تمام کوششوں کے باوجود وہ اُسے نہ مل سکی۔

اسی طرح مقام قرب کی نشاندہی کے لئے شیخ جنید اور شیخ شبلی کی حکایت سے اس کی وضاحت کر دی۔

وہ بتانا چاہتے ہیں کہ اللہ رب العالمین ہے۔ سب کا رب اور سب کا پالنے والا ہے۔ اس لئے وہ مقام ربوبیت سے ایسے احکام صادر فرماتا ہے اور ایسا کلام کرتا ہے کہ بڑے بڑے مومن حیران رہ جاتے ہیں۔ اس بارے میں ایک واقعہ بیان کر دیا۔

جب فقیر اور درویش اس طرح کا اسلوب اپنی تعلیم کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اختیار کرتے ہیں تو وہ اپنے دل کے درجے کے مطابق اپنے ناظرین و سامعین کی سطح پر اتر آتے ہیں کہ ان کو بلند سطح پر لانے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس طرح وہ ابلاغ کا حق ادا کرتے ہوئے آخر میں مرسلوں کے اس قول پر پورے اترتے ہیں کہ مَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ (۳۶:۱۷)(۴) یعنی ہمارے ذمہ تو بس یہی تھا کہ بات کھول کر تم لوگوں تک پہنچا دی۔

Marfat.com

علامہ اقبالؒ نے بھی یہ بصیرت افروز نکتہ بیان فرمایا ہے:

''زندگی کی عمیق ترین حقیقتوں کو سادہ حکایتوں اور تمثیلوں کی صورت میں واضح کرنے کے لیے غیر معمولی ذہانت درکار ہے۔ شیکسپیئر، مولانا جلال الدین رومیؒ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس نادر الوجود فطانت کی صرف تین مثالیں ہیں'' (۵)

فام بُدم:

میں جب خام حالت میں فطری قوتیں لے کر پیدا ہوا تو مجھ میں اور دیگر حیوانات میں بنیادی ضروریات پوری کرنے کے طبعی میلان کے لحاظ سے کوئی فرق نہ تھا۔

انسان کے بچے میں اور کسی نو زائیدہ جانور میں بنیادی فطری ضروریات ایک جیسی ہوتی ہیں اور خواہ نتیجہ کچھ بھی ہو، یہ اپنی تشکیل کے لئے کسی بھی فعل بد کے لئے اکساتی رہتی ہیں۔ ان کے سامنے کسی قسم کے نقصان کا کوئی معیار نہیں ہوتا اور جائز یا ناجائز عمل کے لئے بھی کسی ہدایت سے کوئی غرض نہیں ہوتی۔

بعد ازاں اگر موقعہ ملے تو انسان ان بنیادی ضروریات سے اوپر اٹھتا ہے اور اپنے والدین، اساتذہ اور مشائخ و انبیاء کی تعلیم سے فائدہ اٹھا کر بلند سطح پر عمل پیرا ہوتا ہے جب کہ جانور کا بچہ اس قسم کی استعداد اور صلاحیت سے محروم رہتا ہے۔ البتہ کچھ ٹریننگ حاصل کر کے اپنی حرکات و سکنات میں کچھ باقاعدگی ضرور پیدا کر لیتا ہے۔

اگر انسان کو تعلیم و تربیت کے مراحل سے گزرنے کا موقعہ نہ ملے اور صرف اپنی فطری خواہشات کو پوری کرنے کے لئے ہی تیار کیا جائے تو پھر وہ اللہ کی رحمت سے دور ہوتا جاتا ہے اور کسی طرح بھی کسی بلند تر مرتبے کا اہل نہیں سمجھا جاتا۔

سلطان باہوؒ کے نکتہ نظر سے سات بد رجحانات فام فطرت آدمی میں جڑ پکڑتے ہیں اور پھر شدت اختیار کرتے ہوئے اُسکے کردار کو برائی کا رخ دے دیتے ہیں۔

سلطان صاحبؒ نے انہیں نفس امارہ کا سات رنگ کا تاج تصور کیا ہے یہ ہیں:

Marfat.com

طمع، حرص، شرک، کفر، نفاق، تکبر اور خواہش بد۔

اگر نفس امارہ کو ایک بندہ تصور کیا جائے تو اسکے سر پر سات رنگ کے تاج کے علاوہ جو کپڑے اُسکے جسم پر ہوں گے، وہ ہیں:

دنیا کی ساری زیب و زینت سمیت جامہء جسد وریا۔ پھر اُس کو مقصود کریں کہ شیطان اُسکی بغل میں ہے اور وہ خود تن کر کھڑا ہے، بے حیائی اُسکی آنکھوں میں ہے اور اُسکی نظروں سے بے ادبی اور غرور عیاں ہے۔ شیطان کو اُس نے اپنا وزیر بنا لیا ہے اور اُسے الٰہی طور و طریق کی کوئی سمجھ یا پہچان نہیں ہے۔

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اوّل میں جب نفس امارہ کو اس حال میں اللہ کے دربار میں حاضر کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنی نظر رحمت سے محروم کر دیا۔

فرمایا: ''ہر کہ معرفت، رحمت، وصال اللہ را بر دارد، نفس امارہ را بگزارد۔''

(جو شخص اللہ کی معرفت، رحمت اور وصال کو پا لیتا ہے، وہ نفس امارہ کو چھوڑ کر آگے چلا جاتا ہے)

عارفوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ اپنے نفس کی پہلی حالت کو چھوڑ کر بلند تر سطح پر اٹھ جاتے ہیں:

''این است مراتب عارفانِ حال دَعْ نَفْسِکَ وتعالَ'' (۶)

(یہ ہیں مراتب عارفانِ حال بمطابق قول اپنے نفس کو چھوڑ دے اور بلند ہو جا)

خانہء دل، خانہء نور:

تصوف میں روحانی کردار سازی کے معاملہ میں جس شعبہء تربیت پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، وہ ہے تزکیہ نفس اور تصفیہء قلب۔

نفس کی مطلوبہ مثبت نشو ونما اور دل یا قلب کی صفائی، یہ دونوں مقاصد ذاتی و اجتماعی شعور و عمل سے تعلق رکھتے ہیں۔

Marfat.com

موجودہ دور کا صوفی راہرو (سالک) اگر اچھا پڑھا لکھا بندہ ہے تو وہ بے شک صوفیا کے علم نفسیات اور جدید دور کی تحقیق نفسیات کے تقابلی مطالعہ کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔ اُس کے لئے یہ مطالعہ بہت دلچسپ اور مفید ہوگا مگر ایک عام پڑھے لکھے یا محض سیدھے سادے راہرو کے لئے بہتر ہوگا کہ وہ صرف صوفیاء کے علم نفسیات کی اصطلاحات کو ہی اپنے لئے کافی سمجھے۔ چونکہ عام طور پر ہمارے عوام وخواص اِن الفاظ و اصطلاحات سے مانوس ہیں جو صوفیا اپنی تبلیغ و تعلیم کے دوران برمحل استعمال کرتے رہے ہیں۔اس لئے مبتدی صوفی راہرو کے لئے جدید دور کی نفسیات میں تقابلی مطالعہ مناسب یا مفید تر نہ ہوگا۔ ایک اور بات یہ بھی ہے کہ ہمارے کلاسیکل تصوف کے دور کے مشائخ کے بیانات سیدھے سبھاؤ پڑھنے والے کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں۔

چنانچہ صوفیاء نفس، قلب اور روح کی اصطلاحات بار بار دہراتے رہے ہیں۔

نفس ذات اور اسکی مختلف سطحوں اور مرتبوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب ذات برائی کی طرف مائل ہو تو یہ نفس امارہ ہے جو برائی کا حکم دے رہا ہے یا نفس لوامہ ہے جہاں فرد کو اپنی ذات کے فائدہ ونقصان کا فہم حاصل ہو چکا ہے۔(۷)

قلب (جمع قلوب) انسان کے عقبی و دماغی نظام میں وہ صلاحیت یا قوت ہے جو اُسے وہ روحانی حقائق براہ راست سمجھا دیتی ہے جب وہ دماغ کی گرفت میں نہیں آسکتے۔

روحانی حقائق میں سب واردات، وجد و مستی کی تمام کیفیات اور قرب الٰہی کے تمام درجات شامل ہیں اور انہی کے حصول اور حاصل کو معرفت کہتے ہیں۔ یہی معرفت ہے جو ایک روحانی فہم جو اور رہرو کی مطلوبہ منزل ہوتی ہے۔

سلطان صاحب اِن تمام باتوں کو سمجھانے کے لئے فرماتے ہیں کہ دل گھر کی مانند ہے۔ یہ ایک نور کا گھر ہے جہاں بس اللہ مدنظر رہتا ہے اور اسی دل میں معرفت کا نور اترتا ہے۔

معرفت کے نور میں سات الٰہی خزانے شمار ہوتے ہیں۔ ایمان، علم، تصدیق، توفیق،

Marfat.com

محبت، فقر اور اللہ کی توحید کا فہم و شعور۔

ایمان عقیدے سے متعلق ہے جس کی شرائط فقہ کی کتابوں میں بیان کی گئی ہیں۔ اللہ، اُسکے رسول ﷺ، ملائکہ، آسمانی کتب، تمام انبیاء کرام اور قیامت اور جنت دوزخ اور تقدیر خیر و شر پر یقین:

علم: شرعی اور امر و نواہی کا علم۔

تصدیق: اقرار زبان سے، تصدیق دل اور عمل ہے۔

توفیق: اپنے حالات کو علم و عمل کے لئے موافق رکھنا اور اسی میں دنیا سے رخصت ہونا۔

فقر: صوفیوں اور درویشوں کا اسلوب حیات۔

توحید: اس طرح جینا اور مرنا کہ اندر اور باہر صرف اللہ ہی اللہ نظر آئے۔

سلطان صاحب نے ان صفاتِ شعور و عمل کو سات خزانوں سے تشبیہ دی ہے جن کی ہر مرد عارف کو حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''ان خزائن کی حفاظت کے لئے خانہء دل کے ارد گرد سات قلعے بنے ہوئے ہیں جن میں نورِ الٰہی کے ستر ہزار لشکر تعینات ہیں جو ہر امر پر غالب ہیں۔''

اب یہ صوفی رہرو کا عملی سلوک ہے جو ذکر و مراقبے سے متعلق ہے۔ یہاں صوفی، مرشد کی ہدایت و نگرانی کی ضرورت ہے۔ یہ تصور کے مراقبے ہیں جو نور معرفت کو قائم رکھتے ہیں۔

تصور اسم اللّٰہ کا مراقبہ

تصور اسم لِلّٰہ کا مراقبہ

تصور اسم لہٗ کا مراقبہ

تصور اسم ھُو کا مراقبہ

Marfat.com

تصور اسم محمد ﷺ کا مراقبہ

تصور کلمہء طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مراقبہ

تصور اسم فقر کا مراقبہ

یہ گویا پانچ قلعے ہیں جو خزائن معرفت کی حفاظت کے لئے مقرر ہیں۔

عام زبان میں اگر اس کو بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ مرد عارف اِن اذکار و مراقبات کے ذریعہ وہ روحانی توانائی حاصل کرتا ہے جو معرفت کے نور کو اپنے دل میں محفوظ اور قائم رکھنے کے لئے ضروری ہے۔

نوٹ:

نفس کی تین سطحیں ہیں۔

نفس امّارہ: جب ذات اندر سے برائی کا حکم دے

نفس لوّامہ: جب ذات کو اچھے اور برے کی تمیز حاصل ہو۔

نفس مطمئنہ: جب آدمی پورے ایمان کے ساتھ زندگی میں عمل پیرا ہو اور اپنے کردار پر مطمئن ہو۔

شیطان کی ہنر آزمائی:

جب "عارف باللہ فقیر ولی اللہ" کے خانہء دِل میں معرفت کا نُور اترآتا ہے تو وہ اس کی حفاظت کے لئے سات قلعے بھی اردگرد موجود پاتا ہے جن میں ہر ایک کے اندر ہر امر پر غالب آنے والے نورِ الٰہی کے ستر ہزار لشکر موجود ہوتے ہیں۔(۸)

اگر کوئی مردِ حق معرفت میں پختہ و مکمل ہے تو شیطان اُس پر غالب نہیں آسکتا......اللہ شیطان کو فرماتا ہے: اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطٰنٌ ج وَکَفٰی وَکِیْلًا ٥ (قرآن مجید ۱۷۔۶۵) ترجمہ: بے شک جو میرے بندے ہیں، اُن پر تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے، کام بنانے کو۔

Marfat.com

لیکن اس کے باوجود شیطانی قوتیں اپنا کام جاری رکھنے کے لئے ہر آن مستعد رہتی ہیں۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تلنگا سا کوئی دشمن قلعوں کی کسی نہ کسی دیوار میں نقب لگانے کی کوشش کرتا رہے۔

ایسے میں اگر کوئی عارف بے خبری کے عالم میں غافل ہو جائے تو پھر اُس کا متاثر ہو جانا خلاف معمول نہیں۔

عارف چونکہ عام طور پر مرشد کے مقام پر فائز ہوتا ہے اس لئے اُسکی کمزوریاں اُسکے مقام کے لحاظ سے الگ نوعیت کی ہوتی ہیں۔

مثلاً صوفیوں کا قول ہے کہ جس نے معرفت پالی، اُس نے خموشی اختیار کر لی۔ اب اس کا مطلب یہ نہیں کہ خموشی کو ایک فریب وریا کے طور پر اپنا لیا جائے۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ عارف باللہ بظاہر جو خموش ہوتا ہے تو یہ باطن وہ اللہ کے خفیہ ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ مگر شیطان اُسکے دل میں یہ وسوسہ پیدا کر دیتا ہے کہ ذکر و فکر کو چھوڑو بس تمہارا خاموش رہنا ہی کافی ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ آیا اس کا اتنا ہی اثر انگیز ہونا کافی نہیں کہ بہت سی کمزوریاں اور خامیاں اس چُپ کے پیچھے چھپی رہیں گی۔

کبھی کبھی اُس کو یہ خیال سوجھتا ہے کہ دشت و بیاباں میں جا کر عبادت کرنی چاہیے۔ سو وہ اس خود فریبی میں کسی جنگل میں جا بیٹھتا ہے اور مریدوں کے انبوہ اُسکی خدمت کے لئے وہاں پر آن موجود رہتے ہیں۔ وہ لوگوں میں باہر کم ہی سامنے آتے ہیں۔ نتیجتاً سنت رسول اللہ ﷺ یعنی نماز با جماعت کے تارک ہو جاتا ہے اور یوں اپنے مقام سے گر جاتا ہے۔ بعض اوقات اُسے اس کی خبر تک نہیں ہوتی۔

ترک دنیا کا اصول اُس کی نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے طمع کا جذبہ چپکے سے سر اٹھاتا ہے اور عارف سوچتا ہے کہ کیا ہرج ہے، روپے پیسے جمع کرنا شروع کر دوں ان سے مستحق لوگوں، درویشوں، فقیروں، بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور عاجزوں کی مدد کروں گا۔ چنانچہ اس حیلے

Marfat.com

بہانے سے وہ دولت جمع کرتا رہتا ہے اور آخر میں زکوٰۃ دینے سے بھی انکار کر دیتا ہے۔

شیطان بدآموزی کی مہارت میں طاق ہے۔ وہ ایک اور ہُنر آزماتا ہے اور عارف کے دل میں کشف و کرامات کا غرور پیدا کرتا ہے۔ وہ لوگوں کو اپنی کرامات سناتا ہے اور یوں اپنی اَنا کو اس قدر اونچا کر دیتا ہے کہ مثبت روحانی اقدار اُسکی نظر سے اوجھل رہ جاتی ہیں۔

اَنا یہاں تک پُھولتی ہے کہ عِلم و علماء کی اُسکے نزدیک کوئی قدر و فضیلت نہیں رہتی ہے حتیٰ کہ وہ ہر بات اِن کے خلاف کر کے اپنی اَنا کو بلند تر کرتا رہتا ہے اور حقیقت میں اتنا ہی رجعت کھا کر گر رہا ہوتا ہے۔

یہ بھی اسی اَنا کا شاخسانہ ہے کہ وہ طالبوں کو خوش کرنے کے لئے کہتا ہے کہ لو تم تو خود مرشد سے بھی آگے بڑھ گئے ہو اب تمہیں اُس کے ساتھ کوئی تعلق رکھنے کی کیا ضرورت ہے، بس اپنے مرتبہ پر نظر رکھو۔ پھر انہیں کئی قسم کے تماشے دکھا کر اس حالت تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ مرشد کی نظر اور توجہ سے مردود ہو جاتے ہیں۔

شیطانی قوتوں کی آخری مہارت ہُنر یوں گمراہ کرتی ہے کہ عارف جب وصل کی کیفیت (اَنتَ اَنا و اَنا اَنتَ) سے گزرتا ہے تو اُسکے دل میں وسوسہ اٹھتا ہے کہ اب ظاہر عبادت کی کیا ضرورت ہے اور اللہ کے اسم کو دہرانا کیا لازم ہے کہ نام تو نام ہی ہوتا ہے اور وہ تو اللہ کی ذات کی معرفت حاصل کر چکا ہے۔

ایسے موقع پر سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اس مرحلے پر کوئی صاحب توفیق مرشد ہی اُسے بچا سکتا ہے۔(۹)

نفس امارہ، ایک ڈکٹیٹر:

عجیب بات یہ ہے کہ انسان کو پیدائش کے ساتھ ہی ایسی خام قوتیں دی جاتی ہیں جن کو اُسکی نشو و نما کے دوران میں بے لگام چھوڑ دیا جائے تو خود اُس کے لئے بے حد ضرر رساں ہوتی ہیں۔

Marfat.com

اگر وہ عمر میں کچھ بڑھ جائے اور اُسکی یہ جبلتیں اور قوتیں ایسی ہی رہ جائیں جیسی کہ وہ شروع سے اُس کے ساتھ تھیں، تو وہ ان سب میں گلیمر محسوس کرتا ہے اور اُسے وہ ایسی دلکش نظر آتی ہیں گویا اُسکے سر پر یہ رنگین تاج کی مانند سجی ہوئی ہیں۔

وہ اپنی جیسی تیسی دنیا میں ایک ایسا ڈکٹیٹر بن جاتا ہے۔ جو شیطان کو اپنا وزیر بنا لیتا ہے۔ اسے یوں سمجھئے کہ اُسکے مشیر ہمیشہ بد اور بدکار ہوں گے اور وہ مغرور اور بے حیا ہوگا۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں: ''تو نہیں جانتا کہ جب قدرت الٰہی سے نفس امارہ پیدا ہوا تو اُس نے طمع و حرص و شرک و کفر و نفاق و کبر و ہوا کا سات رنگ کا تاج سر پر سجایا۔ زینت دنیا و حسد و زنا کا لباس زیب تن کیا۔ شیطان کو وزیر بنا کر ساتھ لیا اور اپنی مغرور آنکھوں میں بے حیائی و بے ادبی کا سرمہ ڈال کر خود کو معرفت الٰہی سے اندھا کر دیا۔ اس حالت میں جب اُسے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا گیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظرِ رحمت سے فیض یاب نہ ہو سکا۔'' (۱۰)

نفس امارہ کی ایسی مثالیں بعض اوقات مرشدوں کی خانقاہوں میں بھی نظر آ جاتی ہیں۔ کئی پیر اپنے چہرہ کو چادر یا رومال سے چھپائے پھرتے ہیں یا عام طور پر آنکھیں بند کئے سر مینھوڑائے بیٹھے ہوتے ہیں تاکہ لوگ سمجھیں مراقبے میں ہیں۔ یہ لوگ محض نقال ہیں۔

فرمایا:

''صاحب نفس امارہ کا لوگوں کے سامنے منہ پر نقاب ڈالنا اور آنکھیں بند کر کے مراقبہ کرنا محض خود فروشی ہے۔ بے شک وہ بے سُدھ ہو کر بے ہوشی کا ڈھونگ رچاتا پھرے۔ حقیقت میں وہ اہل تقلید ہے، اہل توحید میں سے نہیں ہے۔'' (۱۱)

وجود آدمی ...... ایک ملک:

صوفیاء نے تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح کے مضمون کو کئی طرح سے سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ دراصل ایک سرے پر نیچے نفس (سائیکی) کا شر ہوتا ہے اور آخری سرے پر رُوح کی برتری مَع الخیر۔ اگر آدمی نفس کی نچلی سطح پر ہی رکا ہے تو بس پھر ارد گرد حالت و

Marfat.com

واقعات (شیطانی قوتیں) بھی اُس کو مدد دیں گے اور اُسکے بارے میں اعضاء بھی اُسی کی خواہشات کی پیروی کریں گے۔ بس پھر سارا وجود آدمی خلل پذیر ہو جائے گا۔

اس کے برعکس اگر نفس کو زیر کر کے روح کی برتری کو تسلیم کریں گے تو پھر دل اور اعضا سب اُسکے تابع ہو جائیں گے اور بندے کا روحانی ارتقاء شروع ہو جائے گا۔

حضرت سلطان باہوؒ نے پہلی حالت کی مثال دی ہے:

''جان لے کہ آدمی کے وجود میں نفسِ امارہ بادشاہ اور شیطان (بیرونی عوامل شر) وزیر ہے۔ اور اعضاء اُسکی رعیت۔ جب ایسا ہو تو ملک وجود میں گمراہی اور خلل پذیری رواج پائے گی۔ گویا نفس باز ہے اور روح چڑیا، دونوں ایک گھر میں۔''

''اور اگر وجود آدمی میں روح بادشاہ ہے، دل اُس کا وزیر اور اعضاء اُس کی رعیت تو ملک اور خلقت دارالامان میں اطمینان سے رہیں گے اور نفس امارہ پریشان ہوگا۔ پھر وجود میں رُوح بادشاہ مثل شہباز، نفس شاہباز کی عظمت و ہیبت کے سامنے چڑیا دم نہیں مارے گی۔ شاہبازِ روح کے سامنے نفس مردار کی حیثیت ایک چیل کی سی ہوگی۔'' (۱۲)

اسی طرح ایک اور جگہ آپ نے فرمایا ہے کہ آدمی کا وجود ایک غار کی مانند ہے اور اُس میں نفس ایک سانپ کی مانند ہمیشہ موجود ہے۔ اگر کوئی شخص رات دِن غار کے اوپر ڈنڈے مارتا رہے، نفس امارہ کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ بس ''ظاہری اعمال بندگی سے نفس کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ جب تک غار کے اندر جا کر تصور اسم اللہ ذات کی آگ سے نفس کو نہ جلایا جائے، وہ ہرگز نہیں مرتا۔''

مطلب یہ ہے کہ تصور اسم اللہ ذات اور ذکر الٰہی سے نفس کا شر ختم ہو جاتا ہے۔

دل مثلِ خانہ:

دل کے متعلق صوفیاء کرام کی تعلیم پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے۔ وہ اس کا ذکر فلسفیانہ انداز میں کرتے ہیں۔ اسکے متعلق اسکے مقام یا محل کے بارے میں زیادہ ذکر نہیں کرتے ...... پس

Marfat.com

پڑھنے یا سننے والا یہ سمجھ لیتا ہے کہ ہاں، بس دل ہے جس کے دائرے میں بڑے بڑے عقلی، ذہنی، جذباتی اور روحانی معرکے ہر بار تازہ ہوتے ہیں اور پھر گزر جاتے ہیں۔

البتہ عملی سلوک میں ذکر اذکار کی تلقین میں محل و مقام ضرور ہوتا ہے اور وہی جگہ جسے ہم کہتے ہیں کہ دل دھڑکتا رہتا ہے اور خون کی روانی برقرار رہتی ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے سارے کے سارے دماغ اور عصبی نظام کا تعلق یہیں کہیں ہے۔

صوفیاء نے اسے قلب کہا یعنی مرکز۔ فلسفی طبع بزرگوں نے اسے لطیفہء انسانیہ یا نفس ناطقہ کہا مگر ہے یہ وہی دل۔

بعض مبتدی جب اس دل کا خیال کرتے ہیں تو سمجھتے ہیں، یہ ایک چھوٹی سی جگہ ہے ایک مختصر عمارت ہے جسے بعض اوقات خانہ (گھر) اور حجرہ بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اور یہ شاید اس لئے کہا جاتا ہے کہ مبتدی درویشوں کے ذہن پر کچھ زیادہ زور نہ پڑے اور وہ پریشان نہ ہو جائیں۔

ورنہ تو دل کی دنیا بڑی وسیع و عریض ہے

دل دریا سمندروں ڈونگھے، کون دلاں دیاں جانے ھو
چودہ طبق دِلے دے اندر تنبو وانگوں تانے ھو

(دل دریاؤں اور سمندروں کی طرح گہرے ہوتے ہیں ان کی گہرائیوں اور وسعتوں کو کون جان سکتا ہے.......... چودہ طبق دل کے اندر خیموں کی طرح تنے ہوئے ہیں)

دل کی وسعت کا کیا کہنا، یہ تو ایک کائنات ہے۔ فرماتے ہیں:

''دل کسے کہتے ہیں اور قلب کسے سمجھا جاتا ہے۔ جان لو کہ زمین کی وسعت آسمان کی وسعت کے مقابلے میں محض ایک قطرہ ہے۔ جملہ آسمان بلندی و فراخی لوح کے مقابلے میں ایک قطرہ ہیں لوح قلم کے مقابلے میں ایک قطرہ ہے۔ قلم کرسی کے مقابلے میں ایک قطرہ ہے۔ کرسی عرش اکبر کے مقابلے میں ایک قطرہ ہے۔ عرش اکبر کے بے شمار کنگرے ہیں۔ ہر کنگرے پر کلمہ

Marfat.com

طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ ہر کنگرے پر ایک قندیل لٹکی ہوتی ہے۔ ہر قندیل میں قدرتِ الٰہی سے زمین و آسمان کے چودہ طبق تہہ در تہہ رکھے ہوئے ہیں ہر طبق میں اٹھارہ ہزار عالم کی مخلوق آباد ہے ہر مخلوق اپنی اپنی زبان سے کلمہ طیب لا الـہ الا اللّٰـہ محمد رسول اللّٰـہ کا ذکر کر رہی ہے۔ عرش اکبر اور تمام قندیلیں دل کے مقابلے میں اسپند کے دانے کے برابر ایک قطرہ ہیں۔'' (۱۳)

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا

سلطان باہوؒ نے دل کو ایک موقع پر ''خانہ'' (گھر) سے تشبیہ دی ہے مگر یہ خانہ گویا شاہی راجدھانی کی شاہی عمارات کا مخفی اور محفوظ حصہ ہے جہاں ہر قسم کے خزانے موجود ہیں۔

فرماتے ہیں کہ یہ گویا خانہء نور ہے۔ ''اور اس خانہء دِل میں نورِ معرفت کے ساتھ خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ ایک خزانہء ایمان ہے، دوسرا خزانہء علم ہے، تیسرا خزانہء تصدیق ہے، چوتھا خزانہء توفیق ہے، پانچواں خزانہء محبت ہے، چھٹا خزانہء فقر ہے اور ساتواں خزانہء معرفت توحید الٰہی ہے۔ اِن خزائن کی حفاظت کے لئے خانہء دل کے ارد گرد سات قلعے بنے ہوئے ہیں جن میں نورالٰہی کے ستّر ہزار لشکر تعینات ہیں جو ہر امر پر غالب ہیں۔ اطراف دل کے اِن سات قلعوں کو اگر سات دن آراستہ رکھا جائے تو زندگی و موت کی ہر حالت میں لشکر خطرات شیطانی، و ہماتِ ہوائے نفسانی اور حادثات وسوسہء دنیائے پریشانی سے نجات مل جاتی ہے اور بندہ دنیا و آخرت میں اللہ کی امان میں آجاتا ہے۔ یہ مراتب ہیں اہل مشاہدہ و اہل حضور عارفِ باللہ فنا فی اللہ فقیر کے۔'' (۱۴)

یہ جو سات قلعے ہیں یہ گویا ذکر کے مقامات ہیں۔ جیسے ''اول قلعہ تصور اسم اللہ، دوم قلعہ تصور اسم اللہ ہے، چوتھا قلعہ تصور اسم ھُو، پانچواں قلعہ تصور اسم محمد ﷺ ہے۔ اور چھٹا قلعہ تصور حکمہء طیب لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ ساتواں قلعہ تصور اسم فقر''

ان مقامات کے آگے ''ولایت قلب'' ہے۔

Marfat.com

مرشد اور آدمی کا وجود:

سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے ہمیشہ یہ تلقین کی ہے کہ سب کچھ انسان کے اندر ہے۔ اُس کی استعداد، اُس کی صلاحیت واہلیت خود اُسی کو ودِیعت کی گئی ہے۔ اُسی کے بل بوتے پر وہ آگے بڑھتا ہے اور بڑھتا چلا جاتا ہے۔

نہ کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ھو

خضر آب حیات تو پیدا نہیں کرتا مگر آب حیات تک پہنچنے اور اُس سے فائدہ حاصل کرنے میں ضرور مدد دیتا ہے۔ مرشد کسی کے اندر صلاحیت تو پیدا نہیں کرتا کیونکہ صلاحیت تو اُسے پیدائشی طور پر حاصل ہوتی ہے۔ مگر وہ اُس صلاحیت کی نشاندہی بھی کرتا ہے اور اُسے عمل میں لانے اور اُس سے مثبت نتائج حاصل کرنے میں مدد بھی ضرور کرتا ہے۔

دیکھا گیا ہے کہ جن لوگوں کو تعلیم کے مواقع نہیں ملتے اور انہیں اچھے سرپرست اور استاد میسر نہیں آتے۔ وہ ضائع ہو جاتے ہیں اور ان کی صلاحیتیں بیکار ہو جاتی ہیں۔

وہ لوگ جو کسی کو رہبر اور استاد یا پیر مان لیتے ہیں وہ نا صرف ذلیل وخوار ہونے سے بچ جاتے ہیں بلکہ عزت ودولت کے مقامات بھی پا لیتے ہیں۔

سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ نے ایک بڑی خوبصورت تمثیل کے ذریعہ یہ حقیقت واضح کی ہے کہ شیخ کی ہدایت پر ہی تمہارے وجود کے اندر تمہارے جوہر کا تمہیں کھوج ملے گا۔ فرمایا:

''کیا تم جانتے ہو کہ خضر علیہ السلام سکندر کو ظلمات میں لے گئے تو حضرت خضر علیہ السلام نے کہا: دوستو! آب حیات کسی نے نہیں پیا ہے مگر مصلحت یہ ہے کہ آب حیات کے گرد جو پتھر پڑے ہوئے ہیں، اُٹھا لو۔

''جن لوگوں نے حضرت خضر علیہ السلام کے فرمان کی تعمیل کی انہوں نے پتھر اُٹھا لیے اور ظلمات سے باہر آئے۔ خضر نے فرمایا کہ ان پتھروں کو توڑو۔ جب انہوں نے پتھر توڑے تو

Marfat.com

ان پتھروں سے بیش قیمت لعل نکل آئے۔ جو لوگ یہ پتھر لے آئے تھے، افسوس کرنے لگے کہ ہم یہ زیادہ پتھر کیوں نہ لائے اور وہ جو یہ پتھر اٹھا کر نہ لائے تھے، اپنے سر پر خاک ڈالنے لگے۔

''دنیا اسی ظلمات کی طرح ہے اور فقر پتھر کی طرح ہے۔ حقیقت قیامت کے دن معلوم ہوگی۔''

فقر بظاہر غیر دلکش اور بے کشش اسلوب حیات ہے مگر جب حقیقت منکشف ہوگی تو معلوم ہوگا کہ اصل تو یہی سب کچھ ہے۔ یہ ایک طرز حیات ہے جو اپنی اصل میں نہایت حسین و جمیل ہے۔ خضر کی طرح مرشد اس طرز پر مرید کو چلاتا ہے۔(۱۵)

ابلیس، دنیا اور نفس:

صوفیاء کرام نے ظاہر و باطن کی جنابتوں سے اپنے آپ کو پاک کرنے کے لئے ابلیس، دنیا اور نفس کی گمراہیوں سے خود کو اور دوسروں کو بچایا ہے۔

ابلیس، دنیا اور نفس دراصل وہ قوتیں ہیں جو ظاہر اور باطن میں خیر کے راستے میں حائل ہوتی ہیں اور یہ قوتیں ایسے ہتھکنڈے اور فریب اور ظلم کو کام میں لاتی ہیں کہ مردوں کے ارادے متزلزل ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات وہ اللہ کے دروازے کے قریب پہنچ جانے پر بھی پیچھے مڑ جاتے ہیں اور یوں اپنے آپ کو برباد کر بیٹھتے ہیں۔

شر اور بدی کی اِن تینوں قوتوں کے نام علوم دینی میں بیان ہوئے ہیں اور اگر ہم اِن کو دوسرے علوم کی روشنی میں سمجھنا اور سمجھانا چاہیں تو کافی مشکل پیش آتی ہے کہ کوئی نہ کوئی لطیف نکتہ اوجھل رہ جانے کا خدشہ لاحق رہتا ہے۔

مثلاً نفس ہی کو لیں یہ دراصل انسان کی جبلی اور فطری نفسیات ہے۔ ابتداء میں یہ خام فطرت جائز ناجائز، درست نادرست اور حلال و حرام سے کوئی تعلق نہیں رکھتی ہے۔ بچے میں آپ دیکھیں، وہ محض خواہش رکھتا ہے اور فوراً اُسکی تسکین چاہتا ہے غلط اور ٹھیک کو وہ سمجھتا ہی نہیں۔ دینی روایت میں اس کو نفس امارہ کہا گیا ہے۔

Marfat.com

سلطان باہوؒ فرماتے ہیں: ''دانی نفس چیست؟ طمع تا طمع را سہ طلاق ندہی، ہرگز بحق واصل نشوی۔'' (کیا تو جانتا ہے کہ نفس کیا چیز ہے، جب تک تو طمع کو تین طلاق نہیں دیتا، ہرگز حق تعالیٰ سے واصل نہیں ہوسکتا) (۱۶)

ایک روایت نقل فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک بزرگ بیٹھے ہوئے تھے کہ اُن کا نفس ان کی صورت و ہیئت میں ان کے سامنے مصلے پر آبیٹھا۔ اُس بزرگ نے کہا کہ جب میں نے اپنی ہی صورت کو اپنے آپ سے علیحدہ دیکھا تو میں نے پوچھا تو کون ہے، اُس نے کہا میں تیرا نفس ہوں، میں نے اُسے مضبوطی سے پکڑنے کا ارادہ کیا۔ چاہتا تھا کہ اُس کو مار ڈالوں مگر اُس نے چلا کر کہا کہ مجھے مارنا اس طرح سے نہیں میرا مارنا میرے خلاف چلنے میں ہے۔

جب مردِ خدا نفس امارہ کے خلاف چلتا ہے تو وہ بے طمع، سرافراز اور بے نیاز ہو جاتا ہے یعنی کامل مرد!

ابلیس تکبر، غرور اور بالآخر مایوسی اور ہٹ دھرمی کی علامت ہے۔

بڑے بڑے یہاں اُس کے مقابل میں آکر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ یہاں علم، طاعت، اقتدار، شہرت جب جوش مارتے ہیں تو بندہ کچھ نہ کچھ ہو جاتا ہے اور اُسکے گرد فریبوں کے پھندے ایسے تنگ ہو جاتے ہیں کہ وہ اپنی ہی خود فریبی کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔

رہی دنیا تو دنیا وہی ہے جو ہمارے اردگرد اپنی تمام رنگینیوں، فریب کاریوں اور سنگ دل جذبوں کے ساتھ موجود ہے۔ حالات ایسے بدلتے ہیں کہ بڑوں بڑوں کا راستہ بدل جاتا ہے۔

چلے تھے چین، جا پہنچے جاپان
ذرا دیکھو تو اللہ کی شان

چلے تھے فقیری پانے کو مگر بن گئے مداری، لوگوں کو ہدایت دینے نکلے تھے کہ خود ہی بے ہدایت ہو گئے۔ مردوں اور عورتوں کو نیک بنانے چلے تھے مگر خود ہی بد ہو کر رہ گئے۔

Marfat.com

مزے کی بات یہ ہے کہ نفس دنیا اور ابلیس مل کر کام کرتے ہیں کیونکہ اُن کا مقصد ایک ہے۔لہٰذا ایک دوسرے کی معاونت میں یہ باہم وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔

نفس سے شروع کریں تو اِسکی طمع اور اسکے نتیجے میں اِس کی لذات ہی انسان کو حیوان بنا دیتی ہیں۔

سلطان صاحب فرماتے ہیں کہ آدمی کے وجود میں چار لذات نفسانی ہیں:

کھانے کی لذت

جنسی تلذذ

حکومت کی لذت

فضیلت عملی کی لذت

ان میں سے ہر لذت میں لت پت ہو جانے سے وہی انجام ہوتا ہے جیسے اُس مکھی کا جو میٹھے شیرے میں پھنس کر اپنی جاں گنوا بیٹھتی ہے۔

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں صرف ایک لذت اور ہے جو اِن چاروں لذتوں کو مغلوب کر لیتی ہے۔اللہ کی طلب میں اُس کے ذکر کی لذت۔

سلطان صاحب کئی طریقوں سے سمجھاتے ہیں فرماتے ہیں۔آدمی کے وجود میں چار خانے ہیں۔

پہلا خانہ زبان: لہو ولغو کے لئے

دوسرا خانہ دل: برائے وسوسہ وخطرات

تیسرا خانہ ناف: بہر ہوا و شہوت

چوتھا خانہ گرد دل: بہر حرص وحسد و کبر

اور ہوا و عجب و ریا و کینہ و بغض

فرماتے ہیں: ان چاروں خانوں میں آگ بھڑکتی رہتی ہے ''بجز آبِ ذکر اللہ تعالیٰ

Marfat.com

ہرگز سرد نشوند" (اللہ کے ذکر کے پانی کے بغیر ان خانوں کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی)

یہ بات صرف صوفیاء جانتے ہیں، کتابیں پڑھنے والے اس سے بے خبر ہیں:

"علماء ازیں خانہ بے خبر اند" (۱۷)

حُب وطلب دنیا:

صوفیاء کرام نے جب کہیں لفظ دنیا اپنی زبان میں استعمال کیا تو اسکے معنوں میں مال و دولت، اقتدار و حکومت، تجارتی کاروبار، جائیداد اور جتھ مسدی اور گروہ مسدی کے سب رسوم و رواج آ گئے۔ گو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ دنیا کا لفظ اکثر مال و دولت کے لئے ہی استعمال ہوا۔

مال و دولت کا شغف اور اُس کی کسی جگہ منفی جذبات و حالات کو جنم دینے کا غالب میلان رکھتی ہے۔ یعنی اس کا ذرا سا بے جا اور بے موقع استعمال کسی نہ کسی ظلم کی صورت میں ظاہر ہوسکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیاء کرام نے زیادہ تر اِسکو حقارت کی نظر سے دیکھا اور اپنے اردگرد لوگوں کو اس کے نقصانات سے بڑے جوش کے ساتھ آگاہ کیا۔

سلطان باہوؒ ایک بزرگ کا دولت کے خلاف ردعمل بیان فرماتے ہیں کہ کسی بزرگ نے ایک بزرگ کے پاس بہت سے درہم پر مشتمل ایک رقم بھیجی۔ اُس بزرگ نے اُسے کہلا بھیجا کہ جس چیز کو خدا نے اپنا دشمن قرار دے رکھا ہے، تو اُسے خدا کے دوستوں کو بھیجتا ہے؟ یہ کیسی دوستی ہے؟

اس چیز کے طالب تو بہت لوگ ہیں، ان کو دے دو۔ سلطان صاحب فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو دنیا اور اہل دنیا کی طرف آنکھ اُٹھا کر نہیں دیکھتا۔ کیونکہ اُس کے دیکھنے سے دل سیاہ ہوجاتا ہے۔

ساتھ ہی ایک اور بزرگ کا سلطان صاحب ذکر فرماتے ہیں کہ ایک تنہائی پسند بزرگ معتکف تھے کہ وہاں کا حکمران بادشاہ اُس کی زیارت کے لئے حاضر ہوا اور کچھ سونا درویش کے

Marfat.com

سامنے بطور مدد پیش کیا۔ درویش نے ناراض ہو کر کہا، اے دشمن خدا، تم مجھ سے کیا نفاق و کینہ و منافقت کا سلوک کر رہے ہو، میرے سامنے سے یہ سونا اٹھا لو، اسکے پسند کرنے والے اور طلب کرنے والے بہت ہیں جو شخص اللہ پر توکل کرتا ہے، ہرگز دنیا کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا۔

سلطان صاحب کی نظر میں دولت کا طلبگار یا منافق ہوتا ہے یا صاحبِ ریا۔

فرماتے ہیں: ''دنیا شیطان اور طالب دنیا شیاطین ہیں، دنیا فتنہ فساد ہے اور طالب دنیا فتنہ انگیز دنیا نفاق ہے اور اُس کا طالب منافق......'' (۱۸)

دنیا کی زیب و زینت کا فریب:

فقیر اور درویش دنیا کی فریب کاریوں سے ہمیشہ بچنے کی ترغیب دیتے آئے ہیں۔ جو دنیا کی دل فریبیوں سے دھوکہ کھاتا ہے وہ بالآخر برباد ہو جاتا ہے۔

دنیا سے مراد ہے دنیا کی زندگی میں برتنے والی چیزیں جن پر دنیا دار لوگ فخر بھی کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنی بے لگام خواہشات کی تسکین بھی پاتے ہیں مثلاً

عورتوں سے بڑھا ہوا اختلاط

اولاد

مال و دولت

سونے اور چاندی کے خزانے

مال مویشی

اور زرعی جائیداد (۱۹)

پھر قرآن فرماتا ہے: ''اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَكُمْ وَتَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ'' (جان لو کہ دنیا کی زندگی تو نہیں مگر کھیل کود اور آرائش اور تمہارا آپس میں بڑائی مارنا اور مال اور اولاد میں ایک دوسرے پر زیادتی چاہنا) (۲۰)

اس میں اقتدار اور شہرت طلبی سب آجاتے ہیں اور یہ سب آنے جانے والی اور دھوکہ

Marfat.com

دینے والی چیزیں ہیں۔

ایک معروف حکایت کی روشنی میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ مادی دنیا کی پرفریب مکاری کو واضح فرماتے ہیں:

''ایک روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دنیا کو بیوہ عورت کے روپ میں دیکھا کہ وہ سر پر رنگین چادر اوڑھے ہوئے اور پیٹھ جھکائے ہوئے تھی۔ اس کے ایک ہاتھ پر مہندی ہے اور دوسرا ہاتھ خون سے سرخ تھا۔

''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا: اے ملعون! تیری پیٹھ کُبڑی کیوں ہے؟ اس نے کہا: یا روح اللہ! میں نے اپنے بیٹے کو قتل کر دیا ہے جس کی وجہ سے میری پیٹھ کُبڑی ہو گئی ہے۔

''انہوں نے کہا: یہ رنگین چادر کیسی ہے؟ وہ بولی: اس سے نوجوانوں کے دلوں کو فریب دیتی ہوں۔

''انہوں نے کہا: ہاتھ کیوں خون آلود ہے، کیا کیا ہے تم نے؟ وہ بولی: ابھی ابھی شوہر کو قتل کیا ہے۔

''انہوں نے پوچھا: دوسرے ہاتھ پر مہندی کیوں رچا رکھی ہے۔ وہ بولی: اس لئے کہ ابھی ابھی دوسرا شوہر کیا ہے۔

''عیسیٰ علیہ السلام حیران ہوئے تو اس نے کہا: اے عیسیٰ علیہ السلام اس سے بھی عجیب تر بات یہ ہے کہ اگر باپ کو قتل کرتی ہوں تو اس کا بیٹا میرا عاشق بن جاتا ہے۔ اگر بیٹے کو قتل کرتی ہوں تو اس کا باپ میرا عاشق بن بیٹھتا ہے۔ اگر کسی کے بھائی کو قتل کرتی ہوں تو اس کا دوسرا بھائی مجھے پانے کی کوشش کرتا ہے۔ اے روح اللہ! سب سے عجیب بات یہ ہے کہ میں نے ہزاروں شوہروں کو قتل کر ڈالا مگر ان کی اموات کو دیکھ کر کسی کا دل میری طرف سے کھٹا نہیں ہوا۔ جو مرد ہے، وہ مجھے نہیں چاہتا اور جو مجھے چاہتا ہے، اسے میں نہیں چاہتی اور جو مجھے نہیں چاہتا، اسے میں چاہتی ہوں۔'' (۲۱)

Marfat.com

یہاں سلطان صاحبؒ نے اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے کہ دنیا داروں کے المناک انجام سے کوئی عبرت حاصل نہیں کرتا اس کے برعکس ہر ایک دنیا کے گلیمر پر فریفتہ ہو کر اپنی دنیا و عاقبت دونوں گنوا بیٹھتا ہے کیوں کہ مادی دنیا کی ہر منفعت معرضِ زوال میں ہے۔

موت کے پُل پر سکونت:

موت ایک بہت بڑی حقیقت ہے جس کی صداقت کا مظاہرہ ہر روز و شب ہمارے سامنے ہوتا رہتا ہے مگر اس کا ہمیں احساس نہیں ہوتا۔ صرف جب کبھی ہمارے جسم و جاں کے قریب یا کسی رشتہ دار یا پیارے عزیز کی موت کا حادثہ ہوتا ہے تو کچھ مدت تک ہمیں اس کی یاد ستاتی ہے اور پھر فراموشی کا عالم طاری ہو جاتا ہے۔

لوگ وعظ و نصیحت اور تعلیم و تربیت کے لئے مدرسے اور کتب خانے اور جماعت خانے کھولتے ہیں لیکن بڑے لوگ بتاتے ہیں کہ اگر تم صرف موت کو یاد رکھو تو جہاں بھی رہو تمہارے اندر سے تعلیم و ہدایت تمہیں پہنچتی رہے گی۔

خواہ کوئی آدمی دین دار ہو یا بے دین ہو اس کے لئے موت کی حقیقت اتنی واضح ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ سوچتا ہے شعوری یا لاشعوری طور پر اسی کے سیاق و سباق میں سوچتا ہے۔

آپ ساری آسمانی کتابیں پڑھ جائیں اور انسانی فکر کے شاہکار فلسفیوں کی تصانیف کو دیکھ لیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ سب باتیں موت کے سنگ میل کو سامنے متصور کر کے لکھی اور کہی جا رہی ہیں۔

دین دار ہیں تو ان کے وعظ و نصیحت میں زیادہ گہرائی اور وسعت ہے کیوں کہ موت اور اس کے بعد کی زندگی کو سامنے رکھ کر ہر بات کو آگے بڑھایا جا رہا ہے اور اگر بے دین ہیں تو وہ موت کو آخری بے سود منزل سمجھ کر دنیا کی لغویت پر نظر ڈال رہے ہوں گے۔ دوسروں سے بات کریں گے تب بھی ان کی سوچ محدود ہوگی اور ان کی ہدایات کا بھی یہی رنگ ہوگا۔ دراصل

موت ایک راز ہے اور گہرا راز!

Marfat.com

دل بھی ایک راز ہے اور گہرا راز!

دل دریا سمندروں ڈونگھے، کون دلاں دیاں جانے ھو

حضرت سلطان العارفین سلطان باہوؒ نے سمجھانے کے لئے ایک حکایت نقل کی ہے۔فرماتے ہیں کہ ایک دن عیسیٰ علیہ السلام سر و پا برہنہ دوڑ رہے تھے بلکہ وہ تو ہمیشہ ہروقت اسی حالت میں رہتے تھے۔کوئی جگہ نہ مکان اور نہ ہی کہیں سکونت۔ان کے گروہ کے لوگوں نے ان سے ایک بار درخواست کی کہ ہمارے لئے آپ کی خدمت مبارک میں آنا لازم ہے۔آپ سے شرائط دین سیکھنے کے لئے۔ہمیں چاہئے کہ آپ کے قیام کے لئے کوئی گھر بنا دیں۔عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اچھی بات ہے مگر شرط یہ ہے کہ ایسی جگہ کی نشاندہی میں کروں گا۔انہوں نے یہ بات قبول کر لی۔عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کیا، انہوں نے ایک گہرے دریا کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہاں مکان بنا دو۔یہ دیکھ کر سب حیران ہوئے اور کہا کہ اس بہتے ہوئے پانی پر ہم کہاں عمارت بنائیں۔عیسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ بے خبر نادانو! کیا موت کا دریا تم اس سے کمتر دیکھتے ہو۔کہ اس پر تو پل بنا کر وہاں رہ سکتے ہو اور اس دریا سے تمہیں خوف آتا ہے۔(۲۲)

دراصل تو وہ موت کی ہر آن موجود حقیقت کی طرف اشارہ فرما رہے تھے کہ تم ہر وقت موت کے کنارے کھڑے ہو۔اسی پر اپنی نظر مرکوز رکھو بلکہ یہی مقام کر لو۔

موت کی سرحد پر کھڑے ہو کر جو کچھ سوچو گے وہ صحیح ہوگا۔ایک دنیا اس طرف اور دوسری دنیا سامنے۔اب اس دوسری دنیا کی زندگی کے بارے میں اپنے تئیں تم کیسے تیاری کرتے ہو اسی میں دین و مذہب کی سب شرائط آ جائیں گے۔

مومن موت سے نہیں ڈرتا۔وہ اس پل پر رہائش پذیر ہو جاتا ہے اور ذکر و فکر کے ذریعہ زندگی بسر کرتا ہے۔

آخر میں فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیہ کے اولیاء اللہ کے لئے تو موت ہے ہی نہیں وہ تو سیدھے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے چلے جاتے ہیں۔یہ اللہ کے دوست ہیں فنا فی اللہ اور فنا

Marfat.com

فی الذات۔

مرشد کا طریق اصلاح:

ایک بیت میں سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے:

نہ کر منت خواج خضر دی تیرے اندر آب حیاتی ھو

(تجھے خواجہ خضر کی منت کرنے کی کیا ضرورت ہے، تمہارے اندر ہی آبِ حیات کا چشمہ موجود ہے)

ایک اور بیت میں کہا کہ انسان کے دل کے اندر سب کچھ موجود ہے۔

دل دا محرم ہووے باہُو اوہی رب پچھانے ھو

(باہو! بس جو دل کا محرم ہوگا وہی رب کو پہچانے گا)

مگر اس آبِ حیات کے چشمے کی نشاندہی کیسے ہوگی؟

اور یہ استعداد کہاں سے آئے گی کہ آدمی دل کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کو جان لے اور پھر رب کی پہچان کی طرف آگے بڑھے؟ اس کی ایک صورت ہے کہ کسی رہبر استاد اور پیر تک رسائی حاصل کر کے اس سے رہنمائی پائے۔

سب کچھ آدمی کے اندر موجود ہے مگر مرشد اپنی قوت قدسیہ کے ذریعے آدمی کے وجود میں مثبت تبدیلی لاتا ہے۔ وہ اپنی توجہ سے اس کے وجود پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس کے باطن کی استعداد کو درجہ بدرجہ بڑھاتا چلا جاتا ہے۔

پہلے وہ اس کا تزکیہ کرتا ہے یعنی اس کے اخلاق کو درست کر کے اس کی سمت درست کرتا ہے پھر اس کا وہ حصہ بیدار کرتا ہے جس سے اس پر روحانی امور کی حقیقت کھلتی ہے۔ آگے بڑھتا ہے تو اس کے اندر کا صلاحیت یافتہ وجود ترقی پا کر اپنے اردگرد تمام لوگوں کو ہدایت دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔

ان تمام مراحل میں مرشد ہی اس کا رہبر اور استاد ہوتا ہے۔

Marfat.com

یہی بات سمجھانے کے لئے سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک سادہ سی مثال چنتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ آدمی کا وجود ایک برتن کی مانند ہے اور آدمی کا دل دودھ کی مانند۔ پھر دودھ میں ہی لسی اور دہی ہوتی ہے اور اسی میں گھی ہوتا ہے۔

اسی طرح آدمی کے وجود میں نفس اور قلب اور روح کی قوتیں موجود ہیں اور اسی میں ''سِرّ اسرارِ پروردگار، تجلیاتِ انوار ہزاراں ہزار بے شمار'' (رب کے بھیدوں کا مصدر اور بے شمار ہزاروں انوار کے جلوے)

مرشد گھی نکالنے والی عورت سے کم تر نہیں ہوتا۔ دیکھو، وہ دودھ میں لسی ڈالتی ہے۔ اس ترش لسی سے دہی بنتی ہے۔ پھر وہ مکھن کو اس سے جدا کرتی ہے اور مکھن کو آگ پر رکھ کر گھی کو الگ کر دیتی ہے۔

مرشد عارف بھی یہی کرتا ہے کہ طالب کے وجود میں بالترتیب خوب سے خوب تر کی طرف رہنمائی کیے جاتا ہے اور دروازے کھولتا چلا جاتا ہے۔

''اسی طرح مرشد کو ایسا عارف ہونا چاہئے جو طالب کو اس کے وجود میں ہر ایک مقام کھول کو علیحدہ علیحدہ دکھا دے اور ہر ایک مقام کی پہچان کرا دے لیکن وہ چیز کہ جو پہچان کراتی ہے کہ یہ میرا نفس ہے اور یہ اس کے مراتب ہیں اور یہ میرا قلب ہے اور یہ اس کے مراتب ہیں، یہ میری روح ہے اور یہ اس کے مراتب ہیں اور یہ میرا سِرّ ہے اور یہ اس کے مراتب ہیں اور وجود کے اندر ہر ایک کے ساتھ انصاف کرتی ہے، وہ توفیقِ الٰہی ہے، جس سے آگاہی مرشد بخشتا ہے۔'' (۲۳)

تجلیات:

حضرت شاہ سید محمد ذوقیؒ نے ''سِرّ دلبراں'' میں تجلیات کے بارے میں لکھا ہے:

''لغت میں تجلی ظاہر کرنے اور ظاہر ہونے کو کہتے ہیں...... ہر وہ شان اور وہ کیفیت اور وہ حالت جس میں حق تعالیٰ کا یا اس کی کسی صفت یا اس کے کسی فعل (ذات و اسماء و صفات و

Marfat.com

افعال) کا اظہار ہو تجلی کہتے ہیں۔

''چونکہ اللہ تعالیٰ کے ظہور کی شانیں لاانتہا ہیں تجلیات بھی مختلف اور متعدد اور خارج از حدود حصہ ہے۔

''ہر شخص پر اس کی استعداد کے مطابق جداگانہ تجلیات ہوتی ہیں۔ جو تجلی ایک شخص پر ایک مرتبہ ہوتی ہے وہ پھر دوبارہ اس پر یا کسی اور پر کبھی نہیں ہوتی یعنی تجلیات میں تکرار نہیں۔ ہر دم اور ہر لحظہ اور ہر آن وہ نئی نئی شان میں متجلی ہوتا رہتا ہے......

''تجلی کے لئے استقامت کی ضرورت ہے۔''

پھر ذوقی شاہ صاحبؒ نے تجلی کی اقسام بیان فرمائی ہیں۔

تجلی ذات کے بارے میں بتاتے ہیں کہ اس تجلی کے نتیجے میں بندہ ''اپنے علم و شعور و ادراک سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ عبد گم ہو جاتا ہے اور حق باقی رہتا ہے۔'' یہ بقا باللہ کا مقام ہے۔

تجلی صفاتی کو یوں سمجھئے کہ اللہ کی صفات میں سے جو کچھ اللہ کی طرف وجدان و شعور پر نازل ہوتا ہے، وہ تجلی ہے۔

یہ تجلی بعض اوقات خارجی عمل ہوتی ہے جو مشاہدے کی صورت میں دکھائی پڑتی ہے اور کبھی داخلی تجربے کی صورت میں ذہن میں ظاہر ہوتی ہے تو اس کی برداشت مشکل ہو جاتی ہے۔

تجلی رحمانی وہ ہے جو اللہ کے فضل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ (۴۴)

دراصل تجلیات کا مرکز وہ بزرگ و برتر ہستیاں ہوتی ہیں جو دوسروں سے کہیں زیادہ روحانی لحاظ سے حساس اور باشعور ہوتی ہیں۔ وہ اس قدر باخبر ہوتی ہیں کہ ایک لمحے کا تاثر بھی ان کے ادراک سے باہر نہیں رہتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر لمحے کا ادراک اور اس کے تاثر کو اپنی روحانی واردات کا حصہ بنالینا کس قدر کٹھن ہے۔

Marfat.com

اب یہاں یہ اقرار کرنا چاہئے کہ ان تجلیات کو صحیح معنوں میں وہی سمجھ سکتا ہے جو ان تجلیات کا تجربہ رکھتا ہو اور ان کا ذاتی طور پر شاہد ہو۔

پھر بات استعداد کی بھی ہے۔ چھوٹے موٹے صوفی اپنے معمولی روحانی مشاہدوں کو بھی تجلی سمجھ لیتے ہیں جب کہ غالب اولیاء اللہ ایسی تجلیات کے شاہد ہوتے ہیں جو ان کے علم اور شعور کو وسعت اور گہرائی عطا کرتی ہیں۔

زمان و مکان کے تفاوت سے بھی تجلیات کی اہمیت مختلف ہو جاتی ہے۔

آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک پیغمبروں کی تجلیات دین کے ارتقائی مراحل میں مختلف رہی ہیں۔ اسی لئے ان کی معرفت بھی تہذیب و تمدن اور دین کے مطابق ظہور پذیر ہوتی رہی۔

ہر پیغمبر کے پیرو اس کی اپنی تعلیم کے مطابق روحانی تجلیات سے بہرہ ور ہوتے رہے۔ اس لئے سرور کائنات، خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے پیروؤں پر وہ تجلیات نازل ہوئیں جو پہلے انبیاء اور ان کی امتوں کے مشاہدے میں نہ آسکیں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے رسالہ روحی میں الہاماً بیان فرمایا:

''اور جس ایک معمولی سی تجلی سے موسیٰ علیہ السلام سراسیمہ ہو گئے اور طور پھٹ گیا، ہر لمحہ اور ہر پل میں جذباتِ انوارِ ذات کی ویسی تجلیات ستر ہزار بار، ان فقراء پر وارد ہوئیں مگر انہوں نے دم نہ مارا اور آہ نہ کی اور کیا مزید کچھ ہے، کہتے رہے۔''

معمولی تجلی سے مراد یہاں تجلیٔ صفات ہے کیونکہ یہی تجلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اپنی پوری شدت اور قوت کے ساتھ ظاہر ہوئی۔

روحی میں سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے سات ارواح سلطان الفقر کے بارے میں مندرجہ بالا الہامی ارشاد لکھا ہے۔ اس کی مکمل تشریح تو رسالہ روحی کی شرح میں دیکھنی چاہئے جو راقم نے لکھی ہے (صفحہ ۱۶۷) مگر پھر بھی یاد رکھئے:

Marfat.com

”تجلی کی برداشت کے لئے ظرف اور استعداد کی ضرورت ہوتی ہے۔ الٰہی کلام اور الٰہی تجلیات کے لئے ہر قلب اور ہر روح موزوں نہیں ہوتی جیسے قرآن حکیم میں فرمایا: لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ اِلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعاً مُّتَصَدِّعاً مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰه (اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ کے اوپر اتارتے، البتہ تو دیکھتا اس کو خدا کے ڈر سے دب جانے والا، پھٹ جانے والا) اسی طرح تجلی کی آتش بھی برقِ سوزاں کی طرح روح کے مرکز پر چمکتی ہے لیکن ہمت والی روحیں اس آگ کو سہار جاتی ہیں بلکہ ان کی ودیعت کردہ ہمت و استعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ہر تجلی کے بعد وہ نئی تجلی کی التجا کرتی ہیں۔“ (صفحہ ۱۷۰)

حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتابوں میں موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کو نقل کیا ہے اور اس سے کئی معارف اخذ کئے جا سکتے ہیں اور اس کے لئے وہ اکثر اساطیر (mythology) کا انداز اختیار کر لیتے ہیں۔ اب یہ قارئین پر منحصر ہے کہ وہ مسلسل غور و خوض سے کس قدر معارف تک رسائی پاتے ہیں۔

محک الفقراء کلاں میں ”شرح ذکر تجلیات ذات و صفات“ کے عنوان سے بیان فرماتے ہیں:

”جان لے کہ جب شکمِ مادر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بلند آواز کے ساتھ التجا کی کہ اے پروردگار مجھے اپنے تئیں دکھا، میں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں اور اس التجا کو آپ نے رات دن کا ورد بنا لیا تو آپ کی والدہ ماجدہ کو یہ آواز سن کر حیرت ہوئی کہ میرے شکم میں کیا چیز ہے کہ رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کی التجا کرتی رہتی ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے انہیں الہام ہوا کہ اے مادرِ موسیٰ حیران نہ ہو اور غم نہ کر اور رَبِّ اَرِنِیْٓ اَنْظُرْ اِلَیْکَ کی حقیقت کسی کافر سے نہ کہنا کہ آپ کے شکم میں میرا دوست و پیغمبر اور آپ کا فرزند موسیٰ کلیم اللہ ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یہ الہام ربانی سن کر اطمینان ہوا اور آپ باادب ہو گئیں اور اپنے شکم ہی کے اندر موسیٰ علیہ السلام کو خدا کا پیغمبر مان لیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب شکمِ مادر سے باہر آئے

Marfat.com

اور مراتب پیغمبری پر پہنچے تو کوہ طور پر اللہ سے ہم کلام ہوئے اور رَبِّ اَرِنِی اَنْظُرْ اِلَیْکَ کی التجا پر بارگاہِ رب الارباب سے لَنْ تَرَانِی (تو مجھے نہیں دیکھ سکتا) کا جواب آیا کہ اے موسیٰ! ہم نے وعدہ کیا تھا کہ سب سے پہلے اپنا دیدار اپنے حبیب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کی امت کو کراؤں گا اور اس کے بعد ہر امت کو نصیب ہوگا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پھر التجا کی۔ رَبِّ اَرِنِی تو پھر وہی جواب آیا لَنْ تَرَانِی۔ دنیا میں تو میرا دیدار نہیں کر سکتا کہ تجھ میں میرے دیدار کی طاقت نہیں ہے۔ تو وہ آنکھ کہاں سے لائے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا میرے پاس وہ آنکھ ہے جس میں طاقت وقوتِ دیدار ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا کہ دوگانہ نماز پڑھ اور کوہ طور پر باادب وہوشیار ہو کر بیٹھ جا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ حق سبحانہٗ نے صفاتی تجلی کے انوار میں سے ایک ذرہ سوئی کی نوک کے برابر لو ہے کے ایک ہزار پردوں میں لپیٹ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب اچھالا۔ تجلی کا وہ ذرہ کوہ طور پر پڑا اس تجلیٔ صفات کی دید کی طاقت موسیٰ علیہ السلام میں پیدا نہ ہو سکی اور بے خود ہو کر گر گئے اور تین دن رات تک بے ہوش رہے اور جب ہوش میں آئے تو عرض کی، ''الٰہی، میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں۔'' اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام جس چیز کی طرف نگاہ کرتے تو وہ جل جاتی۔ اس بناء پر آپ نے نقاب پہن لیا اور اس سے اپنا چہرہ ڈھانپنا شروع کر دیا تا کہ دوسرے لوگ جلنے سے محفوظ رہیں......................'' (۲۵)

علماء وفقراء:

جب سلطان العارفین سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ ایک دانش مند طبقے کو علماء لکھتے ہیں تو اس سے ان کی مراد فقہاء اور علماء دین ہوتے ہیں۔

فقہاء وہ ہیں جو دین و دنیا کے مسائل سمجھ کر احکام وقوانین دین مدوّن کرتے ہیں۔ ان کا تعلق سراسر ظواہر دین سے ہوتا ہے۔

علماء و فقہاء سے مراد وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں جو دین کے متعلق ہر قسم کی ظاہری

Marfat.com

معلومات رکھتے ہیں اور حوالوں کے ساتھ ان کی نشاندہی کر سکتے ہیں۔

فقراء وہ گروہ ہے جو دین میں قلبی و روحی تجربے اور عرفانی مشاہدے کے ذریعے حقائقِ دین کا ادراک کرتا ہے۔ ان کے اس علم کو علم لدنی بھی کہتے ہیں۔ علم دین میں بھی ان کو وہ بصیرت حاصل ہوتی ہے جو ظاہری علم رکھنے والوں کو نصیب نہیں ہوتی۔

سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے دنیا کے لوگوں کو ایک لحاظ سے تین گروہوں میں تقسیم دیکھا ہے:

اہل دنیا واہل علماء واہل فقراء۔

اہل دنیا تو حرص و ہوا کے بندے ہیں۔ خواہشات نفسانی کے اسیر اور گناہوں میں مبتلا۔

اہل علم مسائل فقہ کو پڑھتے پڑھاتے اور اس کے مطابق فتوے صادر کرتے ہیں۔

اہل فقر صرف اللہ تعالیٰ کے دیدار کے خواہاں ہوتے ہیں۔

عالم دین اگر باعمل ہو تو وہ اپنی جگہ خود فقیر ہوتا ہے کیوں کہ عمل اسے اللہ کے حضور میں پہنچا دیتا ہے۔

علماء:

علماء اہل شعور ہیں اور سمجھ دار، مگر صرف شعور خدا کی نظر کا مستحق نہیں ٹھہرتا کیوں کہ صاحب شعور رات دن بس لکھنے پڑھنے میں مصروف رہتا ہے۔

علماء صرف ونحو پڑھتے ہیں اور چند اصولی باتوں کا فہم رکھتے ہیں۔ علماء بہت پڑھے کو کہتے ہیں اور ان کی پڑھائی کا سن کر بادشاہ ان کی قدر کرتے ہیں یا انہیں قاضی بنا لیتے ہیں۔

علماء جس کسی میں اپنے جیسا علم نہیں پاتے، اسے جاہل قرار دیتے ہیں۔

علماء وعظ کرتے ہیں اور عام لوگوں کو نصیحتیں کرنے کے مشتاق ہوتے ہیں۔

علماء خواہ کتنا کچھ پڑھ جائیں تصوف و حکمت الٰہیہ سے بے خبر رہتے ہیں اور فقراء کو

Marfat.com

''احمق، مجنون اور دیوانہ'' خیال کرتے ہیں۔

علماء کو فقیروں کی واردات غیبی پر بھی یقین نہیں آتا ان کو معلوم نہیں ہوتا کہ ادب رب سکھاتا ہے۔

فقراء:

فقراء اہل حضور ہوتے ہیں اور خدا کے حضور میں اپنے تئیں حاضر و ناظر رکھتے ہیں۔

فقراء علم کے لئے صرف کتابوں پر انحصار نہیں رکھتے۔ فنا فی اللہ کی کیفیت میں بصیرت حاصل کرتے ہیں۔

فقیر حق کا دیوار اور عاشق ہوتا ہے اور علم باطنی میں صاحبِ علوم۔

فقراء صاحب مسیحی ہوتے ہیں یعنی وہ روحانی طور پر مردوں کو زندگی عطا کرتے ہیں۔

فقراء طالبِ مولیٰ کے علاوہ سب سے بے نیاز ہوتے ہیں۔

فقراء خادم ہوتے ہیں اور ''خادم افضل است از مخدوم'' (خادم مخدوم سے افضل ہوتا ہے)(۲۶)

فقیر صاحب معرفت ہوتا ہے۔

''کسے کہ معرفت ندارد، اگر چہ ہزار کتاب بخواند، سِلک سلوک
تصوف نمی داند، دِل او مردہ جاہل، علم مرکب بار پرندہ''

(جو شخص معرفت نہیں رکھتا، اگر چہ وہ ہزار کتاب پڑھ چکا ہو لیکن سلک سلوک تصوف نہیں جانتا تو اس کی زبان زندہ ہے مگر اس کا دل مردہ جاہل۔ وہ ایسا جانور ہے جو بس بوجھ اٹھائے پھرتا ہے۔)

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں:

اگر راحت ہے تو معرفت میں ہے
اگر شوق ہے تو محبت میں ہے

Marfat.com

اگر ذوق ہے تو ذکر میں ہے

اگر مشاہدہ ہے تو مجاہدہ میں ہے

اگر اشتیاق ہے تو مشتاق میں ہے

اگر اتفاق ہے تو علم میں ہے

اگر تاریکی وظلمت ہے تو جہل میں ہے

اگر حکومت ہے تو معرفت میں ہے (۲۷)

''پس عارف باللہ کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے اسم اللہ ہی نکلتا ہے اور جدھر دیکھتا ہے اسم اللہ ہی دیکھتا ہے۔(۲۸)

حضرت سلطان باہوؒ کا مقام کمالِ قُرب:

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا اصل مقام سلطان الفقر تھا۔فقر و تصوف کو صوفیاء کرامؒ نے طرح طرح کی مثالیں دے کر سمجھایا ہے کہ اس کی اصل کیا ہے؟ اور اس کا منتہائے مقصود کیا ہے؟

اس گروہ کو صوفی کیوں کہا گیا، اس پر بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر پھر ہوا یہی کہ اس حلقے کے افراد صوفی کے لقب سے ہی مشہور ہوئے۔

جب شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ساتویں صدی ہجری میں تصوف پر ایک جامع کتاب عوارف المعارف لکھ رہے تھے تو انہوں نے یہ تنبیہہ ضروری سمجھی کہ فرمایا:''یہ بات ذہن نشین رہے کہ صوفیاء کے جو عمدہ حالات ہم اس کتاب میں بیان کریں گے وہ مقرب کا حال ہو گا۔صوفی سے مراد مقربِ بارگاہ ہے کیونکہ قرآن کریم میں صوفی کا نام مذکور نہیں ہے۔''

مزید فرمایا:''بہرحال الفاظ سے کوئی خاص فرق نہیں پڑتا کیوں کہ صوفیاء سے ہماری مراد مقربین ہیں لہٰذا وہ صوفیاء مشائخ کرام جن کے اسماء گرامی، طبقات اور دیگر کتابوں میں نظر آتے ہیں وہ رب کے سب مقربین الٰہی کے مسلک پر تھے اور ان کے علوم انہیں مقرب الٰہی کے

Marfat.com

احوال کے علوم سے متعلق تھے۔'' (۲۹)

حضرت شہاب الدین سہروردیؒ کے اس بیان سے ظاہر ہے کہ جو خصوصیات مقربین کی ہیں گویا وہی صوفیاء وفقراء کی ہیں۔ (فقیر کے لقب نے بعد میں رواج پکڑا)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ قَرِیۡبٌ'' (بے شک وہ سننے والا نزدیک ہے) ۳۴:۵۰

یعنی اللہ تعالیٰ تو قریب ہے اور جب تم اسے پکارتے ہو تو وہ تمہاری پکار سنتا ہے۔ اس میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ تم اپنی طرف سے کتنا قریب آتے ہو اور مقرب کا مقام پاتے ہو یہ تمہارا کام ہے۔

مقرب کون ہیں؟ فرمایا: وَالسّٰبِقُوۡنَ السَّابِقُوۡن ٥ اُولٰٓئِکَ الۡمُقَرَّبُوۡنَ ٥ (اور جو سبقت لے گئے وہ تو سبقت ہی لے گئے، وہی مقرب بارگاہ ہیں) قرآن مجید ۵۶-۱۱

یعنی صحابہؓ ہیں وہ جنہوں نے اسلام کی طرف سبقت کی اور ہجرت میں سبقت کی اور بعد میں آنے والوں میں وہ مقرب ہیں جنہوں نے نیکیوں میں سبقت کی۔

قرآن میں مقربین کے لئے آخرت کی رات اور انعامات کا بھی ذکر کیا گیا ہے البتہ ایک آیت جس میں مقربین سے مراد مفسرین نے ملائکہ لی ہے وہ ان اولیاء اللہ کے بارے میں بھی درست ہے جنہیں ولایتِ مکاشفات واسرار حاصل ہوتی ہے۔ (قرآن مجید ۸۳-۳۱)

قرآن مجید کے ان فرمودات کو اگر ملا کر پڑھا جائے تو مقربین (جنہیں بعد ازاں صوفی، درویش اور فقیر کہا گیا) وہ ہیں جو حضوری کی صفت سے متصف ہیں اور جو اللہ کے اس قدر قریب ہو جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے خصوصی مکالمہ ومخاطبہ سے سرفراز کرتا ہے۔ وہ اپنی ہر بات کا اللہ تعالیٰ کے حضور سے جواب پاتے ہیں۔ حتیٰ کہ جس سطح پر وہ ذکر وفکر اور عبادت کرتے ہیں وہ بڑے بڑے علماء کی نظر میں اوجھل رہتی ہے۔

حضرت سلطان صاحبؒ شیخ جلال الدین تبریزیؒ اور قاضیؒ حکومت نجم الدین ثنائی کی

Marfat.com

مثال لیتے ہیں کہ ایک بار شیخ کہیں قاضی دیوان کے گھر کے پاس سے گزرے تو انہوں نے ان کے کسی خادم سے پوچھ لیا کہ نجم الدین کیا کر رہے ہیں، اس نے کہا کہ نماز پڑھ رہے ہیں۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ نماز پڑھنا جانتے بھی ہیں یا نہیں؟ یہ کہہ کر آگے چلے گئے۔ یہ بات قاضی صاحب تک پہنچی تو وہ خود شیخ کے پاس پہنچے اور پوچھا کہ یہ آپ نے کیا کہا؟ شیخ نے وضاحت فرمائی کہ میں صرف یہ کہنا چاہتا تھا کہ علماء کی نماز اور ہوتی ہے اور فقیروں کی نماز اور۔ علماء جب تک قبلہ سیدھا نہ دیکھ لیں، نماز نہیں پڑھتے اور اگر قبلہ غائب ہو جائے تو پریشان ہو جاتے ہیں اور پھر جس طرف قبلہ جان لیں، نماز پڑھ لیتے ہیں جب کہ فقیر جب تک عرش کو سامنے نہیں دیکھ لیتا نماز ادا نہیں کرتا۔ قاضی صاحب یہ بات سن کر چلے گئے اور رات کو خواب میں دیکھا کہ شیخ جلال الدینؒ بالائے عرش مصلّٰے بچھائے نماز پڑھ رہے ہیں۔ ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ جاگ اُٹھے۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے، بہت معذرت کی اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ شیخ نے صرف اس قدر فرمایا کہ نجم الدین یہ جو تم نے مجھے عرش پر مصلّٰے بچھائے نماز پڑھتے دیکھا، یہ تو درویشوں کے لئے کمترین درجہ ہے، ان کا مقام تو اس سے بھی آگے ہوتا ہے۔ اگر میں ظاہر کروں تو تم ہوش کھو بیٹھو گے اور بہت زیادہ نور کو دیکھ کر مر جاؤ گے۔(۳۰)

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب درویش کمال قرب کے مقام پر لامکان میں مکان پاتا ہے تو پھر اس کے اس رتبے سے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی واقف نہیں ہوتا۔

(یہاں بہت خفیف اور نازک اشارہ سلطان صاحبؒ کا اپنے مرتبہ کے بارے میں ظاہر ہے)

ایک اور واقعہ دو مرشد ولیوں کا بیان فرمایا ہے جو ایک مقرب فقیر کے کمالِ قرب کا شاہد بنے۔

ایک دن شیخ جنیدؒ اور شیخ شبلیؒ دونوں صحرا میں گئے۔ شہر سے باہر ہی نماز کا وقت آ گیا۔ دونوں نے وضو کر کے نماز ادا کرنے کا ارادہ کیا کہ اتنے میں ایک لکڑہارا ایندھن کا پشتارہ لئے آ

Marfat.com

پہنچا۔اس نے بھی وضو کیا اور دونوں سے آملا۔ان دونوں نے فراست سے پہچان لیا کہ یہ کوئی ولی اللہ ہے۔انہوں نے اس کو امام بنالیا اور نماز پڑھنے لگے۔وہ بزرگ رکوع اور سجدے میں بہت دیر کررہا تھا۔جب نماز سے فارغ ہوئے تو دونوں مشائخ نے دیر کرنے کی وجہ پوچھی۔اس بزرگ نے جواب دیا کہ میں تسبیح کہتا تھا اور جب تک لبّیک عَبْدِی (میرے بندے میں حاضر ہوں) نہیں سن لیتا تھا سر نہیں اٹھاتا تھا۔کیونکہ جب تک نماز میں جواب باصواب نہ آئے، وہ نماز نہیں ہوتی۔

سلطان صاحبؒ ایک عارف باللہ ولی کی یہ صفت بیان کرتے ہیں کہ وہ ''ہر دم، ہر ساعت اور ہر وقت'' لَبّیکَ عَبْدِیْ سنتا ہے۔

چند جملوں کے بعد بلاتکلف و تصنع سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میری یہ حالت ہے۔''اگر ایک مرتبہ میں کہوں اَللّٰہُ تو بیس مرتبہ بذریعہ الہام آواز آتی ہے لَبّیکَ عَبْدِیْ، لَبّیکَ عَبْدِیْ''۔(۳۱)

اہلِ قرب اولیاء اللہ ہمیشہ اپنے رب سے ہم کلام رہتے ہیں۔ادعیہ الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مجموعہ حِصنِ حَصِین شاہد ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر وقت اللہ کے حضور میں حاضر و ناظر رہ کر گفتگو میں مشغول رہتے تھے۔یہ آپ ہی کی اس صفت کا پرتو ہے کہ آپ کی امت کے اولیاء اللہ بھی اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں اور ہوتے رہیں گے۔

تدبیر اور تقدیر، سبب اور مسبب الاسباب:

جہاں ہم کھڑے ہیں اگر وہاں سے اسباب و علل کی دنیا پر نظر ڈالیں تو یہاں کا سب کچھ اسباب و تدابیر کا مرہونِ منت نظر آتا ہے۔

لیکن اگر اوپر سے (عرش کے بھی اوپر سے) دنیا کو دیکھیں تو یہاں سب کچھ وہی ہو رہا ہے جو پہلے سے طے ہو چکا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ

Marfat.com

كُلُّهُ (قرآن مجید ۱۱-۱۲۳) ترجمہ: آسمانوں کی اور زمین کی چھپی بات اللہ کے پاس ہے اور اسی کی طرف رجوع ہے کام سارا۔

اولیاء اللہ نے اس کو تجربے اور آزمائش سے لوگوں کو دکھایا ہے اور سبق دیا ہے۔ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ اللہ کا امر یہ ہے اور اس میں اب کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تو انہوں نے لوگوں کو مظاہرہ کر کے دکھا دیا کہ دیکھ لو، اب اس میں کسی کو دخل نہیں۔ اپنی سی کر لو، اس کو اب تم اپنے طور پر بدل نہیں سکتے۔

سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے رزق کی مثال لی اور ایک حکایت نقل فرما کر واضح کیا کہ جو کچھ رزق مقدر ہو چکا ہے اس میں کچھ کم یا زیادہ نہیں ہو سکتا ہے۔ کوئی اپنے طور پر کچھ کر دیکھے مگر لکھے کو بدلا نہیں جا سکتا۔

فرماتے ہیں کہ دو طالب ایک ''درویشِ صفا کیش'' کی خدمت میں پہنچے۔ ایک مانتا تھا کہ رزق جو ازل سے مقدر ہے، وہی ملے گا۔ دوسرا خیال کرتا تھا کہ درویش کی کرامت سے روزی ملتی ہے۔

درویش نے اپنی صفائی قلب کی وجہ سے دیکھ لیا کہ واقعی دونوں کی قسمت لکھی جا چکی ہے۔ وہ جو اقرار کرتا ہے کہ روزی ازل سے مکتوب ہے، درست کہتا ہے۔ مگر وہ جو درویش کی کرامت کو مؤثر مانتا تھا، اس کو کیسے سمجھایا جائے۔

درویش نے جو اس کرامت پسند طالب کی عقیدت کو اچھی نظر سے دیکھتا تھا اپنے خادم کو بلایا کہ ایک تربوز لے کر اُس کا اندروں گودے سے خالی کر دو اور اُس میں جواہر بھر دو۔ وہ ایسا ہی کر لایا تو درویش نے اسی لمحے وہ جواہر سے بھرا خول کرامت پسند طالب کے حوالے کر دیا۔ اب اُس کو تو حقیقتِ تربوز معلوم نہ تھی اور اُدھر وہ ناداری کے ہاتھوں تنگ بھی تھا، اُس نے اسے ایک ٹکے میں کسی سبزی فروش کے ہاں بیچ دیا۔

وہ ازلی مقدر پر ایمان رکھنے والا طالب سبزی فروش کے ہاں آنکلا اور اُس نے وہی

Marfat.com

جواہر سے بھرا تربوز اُس سے خرید لیا اور گھر کی راہ لی۔

اب خادم جو تربوز کے اندروں سے واقف تھا، کرامت پسند طالب کے پاس اس گمان سے پہنچا کہ اُس نے تربوز کھول لیا ہوگا اور اب شاید خوش ہو کر اُسے بھی کچھ انعام دے دے گا۔لیکن وہ طالب اُس کو دیکھتے ہی غصہ سے بولا کہ تم خالی خولی تربوز مجھے دے گئے تھے جسے میں نے سبزی فروش کو دے دیا ہے۔اس پر خادم نے طالب کو جواہرات کی بات بتائی تو وہ تڑپ اٹھا اور سبزی فروش کے پاس پہنچا کہ میرا تربوز واپس کرو مگر اس نے جواب دیا کہ تربوز کوئی امانت تو تھی نہیں کہ وہ اُسے پاس رکھتا، اُس نے تو کسی اور کو فروخت کر ڈالا ہے۔اب وہ شخص اس ازلی مقدر پر ایمان رکھنے والے اور تربوز خریدنے والے طالب کے پاس پہنچا اور تربوز طلب کیا۔اُس نے کہا، بھئی مجھے اپنے ''ازلی نصیبہ'' کے موافق یہ نعمت ملی ہے، تمہیں کیوں دوں؟

اس پر دونوں میں جھگڑا ہوا اور مقدمہ اُسی ''درویش صفا کیش'' کی درگاہ میں پہنچا۔

درویش یہ واقعہ سن کر بہت حیران ہوا ''دولتِ خداداد'' کا اقرار کیا اور خریدنے والے طالب کو وہ تربوز اپنے پاس رکھنے کا فیصلہ دیا۔

آخر میں سلطان صاحب نے ایک شعر کہا ہے:

رزق ہر چند باسباب تعلق دارد
روزِ میثاق سبب ہائے سبب انگیخت (۳۲)

(ہر چند کہ رزق کا تعلق اسباب سے ہے لیکن اسباب کو بھی روز میثاق سبب نے ہی پیدا کیا)

مُوتُوْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْ تُوْ:

صوفیوں، فقیروں اور درویشوں میں یہ مقولہ بہت معروف و مشہور ہے کہ

مُوتُوْ قَبْلَ اَنْ تَمُوْ تُوْ

(مرنے سے پہلے مر جاؤ)

Marfat.com

اگر ہم اس کے عام مفہوم تک ہی محدود رہیں تو وہ یہ ہے کہ اپنے نفس اَمّارہ کو ختم کر دو اور اپنے اسی نفس کو نیا جنم دو۔ نچلے درجے میں نفس کی موت واقع ہوتی ہے تو ہزاروں لایعنی خواہشیں، جن کے متعلق غالب نے کہا تھا کہ

ہر خواہش پہ دم نکلے

اُسکے ساتھ مر جاتی ہیں۔ پھر ایک ہی خواہش کے ساتھ بندہ زندہ رہتا ہے کہ اب اُسے اللہ کا زیادہ سے زیادہ قرب حاصل کرنا ہے۔

سلطان صاحب ایک بیت میں فرماتے ہیں:

مر گئے مَرن تھیں پہلے یا باھو تنہاں رب نوں پایا ھو

(باھو! وہ جو مرنے سے پہلے مر گئے، رب کو پا گئے)

حضرت سلطان باھوؒ اس سے بڑھ کر بات کرتے ہیں کہ دراصل فقیر جب ایک حال سے دوسرے حال میں یا ایک مقام سے دوسرے مقام میں پہنچتا ہے تو اس کی سائیکی ایسی تبدیل ہوتی ہے کہ گویا اُس سے پہلی زندگی پر موت وارد ہوگئی اور دوسری زندگی نصیب ہوئی۔ ہر فقیر گویا ہر وقت قیامت کے مقابل کھڑا ہے اور ہر بار پل صراط سے گزر کر آگے جا رہا ہے۔

سلطان صاحبؒ ذکر کو ایک ایسا وسیلہ سمجھتے ہیں جو اس نئی زندگی یا ترقی کا محرک اور اس میں مد ہوتا ہے۔

فرماتے ہیں:

''ذکر ایسا ہونا چاہیے جیسے سَمَندَر۔ سَمَندَر ایک پرندے کا نام ہے جو لکڑیاں چن چن کر قلعہ کی طرح ڈھیر بناتا ہے۔ جب وہ قلعہ کو تیار کر لیتا ہے تو خود اُس میں بیٹھ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ھُو کے ذکر میں مشغول ہو جاتا ہے۔ ذکر شروع کرنے میں جب وہ ھو کے ساتھ سانس لیتا ہے تو پہلے پہل ذکر اللہ و ذکر ھو سے اُس کے وجود میں اس قدر گرمی پیدا ہوتی ہے کہ لکڑیوں کو آگ لگ جاتی ہے اور پرندہ جل کر راکھ ہو جاتا ہے۔ اسکے بعد اُس کی راکھ پر رحمت کی

Marfat.com

بارش برستی ہے۔ تو اُس کی خاکستر سے ایک انڈہ پیدا ہوتا ہے اور اُس سے ایک بچہ باہر آتا ہے اور جب بچہ اپنے باپ جیسا ہو جاتا ہے تو وہ وہی باپ کا سا کام کرتا ہے، جل کر راکھ ہو جاتا ہے اور یہ سلسلہ ربدالآباد تک جاری رہتا ہے۔"

فرماتے ہیں:

"پس فقیر کا ہر لحہ قَبْلَ اَنْ تَمُوْ تُوْ ہے" اور اسی کے ساتھ ہر روز اُسکی نئی آن اور نئی شان ہے۔ (۴۳)

تارک نماز:

ہمارے بعض نام نہاد دانشور حضرات سلطان باہوؒ کے بعض اشعار پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ وہ شاید نماز روزے کے خلاف تھے بعض اوقات ان کی باتوں سے یہ تاثر ملتا ہے کہ وہ خدا نخواستہ شریعت سے ہٹ کر چلنے والے ایک آزاد خیال درویش تھے۔ مثلاً انہوں نے فرمایا:

نفل نمازاں کم زنانہ روزے صرفہ روٹی ھو
سکے دے وَل سوئی جاندے جنہاں گھروں تروٹی ھو

اس سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ شاید وہ اِن ارکان اسلامی سے دور رہنے کے لئے کہہ رہے ہیں۔ یہ لوگ اگلا مصرع نہیں پڑھتے:

اُچیاں بانگاں سوئی دیون نیت جنہاں دی کھوٹی ھو

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان صاحب تو ان لوگوں کی مذمت کر رہے ہیں جو محض ریا کاری یا منافقت یا بد نیتی کی خاطر نماز روزے اور حج کی ادائیگی کی طرف آرہے ہیں۔ سلطان صاحب تنبیہہ فرما رہے ہیں کہ "یہ سب نچلے درجے کی ذہنیت کے لوگوں کے کام ہیں، گو وہ بظاہر اپنے تئیں بڑے متشرع ظاہر کرتے ہیں۔"

سلطان صاحب نے ایک حدیث کی روایت کی ہے کہ نبی ﷺ کے پاس ایک فرشتہ حاضر ہوا اور اُس نے کہا: "مسلمان کہتا ہے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، اُس نے مجھے مسلمان پیدا کیا

Marfat.com

ہے اور یہودی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے یہودی بنایا ہے نصرانی نہیں بنایا۔ نصرانی کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے نصرانی بنایا ہے، مجوسی نہیں بنایا اور مجوسی کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے منافق پیدا کیا مشرک پیدا نہیں کیا ہے۔ اور مشرک کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے منافق بنایا ہے، بے دین نہیں بنایا ہے۔ بے دین کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے بے دین پیدا کیا ہے، کافر پیدا نہیں کیا اور کافر کہتا ہے کہ اُس نے مجھے کافر پیدا کیا ہے، کتا پیدا نہیں کیا کُتا کہتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ اُس نے مجھے کتا بنایا ہے، خنزیر نہیں بنایا ہے اور خنزیر کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے خنزیر بنایا ہے تارکِ نماز نہیں بنایا ہے۔'' (۴۴)

یہ تو محدثین کا کام ہے کہ وہ اس حدیث کی سند کے غلط یا صحیح ہونے کا فیصلہ دیں مگر یہاں اس بات کی تو وضاحت ہوگئی کہ حضرت سلطان باھُوؒ ''ترک کنندۂ نماز'' کے بارے میں کس قدر شدید رائے رکھتے تھے۔

مذہبِ دہقانیاں:

''عاشق فقیر است۔ فقیر ملت مذہب چہ دارد؟

مذہب دہقانیاں

''مذہب دہقانے چیست؟ گفت، آنچہ از تخم زراعت بکاوند، ہموں بدروند''

(عاشق فقیر ہے۔ فقر کا دین مذہب کیا ہے؟ کسانوں والا مذہب۔ ایک کسان کا مذہب کیا ہوتا ہے؟ کہا: جو کچھ بیج کاشت کرتے ہیں، وہی کاٹتے ہیں)

حضرت سلطان باھُوؒ اکثر کاشتکاری کی مثالیں دے کر روحانی ترقی اور نشوونما کے طریقے اور مراحل بیان کرتے ہیں۔

دراصل وہ قدرت کا ایک بہت بڑا اصول مریدوں کے ذہن نشین کرانا چاہتے ہیں کہ انسان جو کچھ اور جیسے کچھ کرتا ہے اسی طرح وہ اس کا نتیجہ پاتا ہے۔ جو بوؤ گے وہی کاٹو گے۔ ایک

Marfat.com

عام ضرب المثل ہے۔

انسان کی روحانی ساخت و پرداخت بھی ایسی ہے کہ اگر وہ اپنے وجود کے اندر بھی زراعت کی مثال سامنے رکھے تو اس کے اندر باغوں میں بہار آجاتی ہے۔

پھر جیسے باغوں کو جھاڑ جھنکاڑ سے صاف رکھنا پڑتا ہے اسی طرح درویشوں کو اخلاقی رذائل جیسے طمع، حرص، حسد، کبر اور غیبت ورشوت وغیرہ سے قلب ونظر کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔

ساتھ ہی کچھ مثبت اقدامات کرنے پڑتے ہیں جیسے تقویٰ، توبہ اور ریاضت کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔ تب جا کر انسان کے وجود میں آبِ حیات کا چشمہ ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حکایت نقل فرمائی ہے۔ کہتے ہیں: ایک بزرگ نے حاضرین مجلس سے پوچھا، توحید کیا ہے؟ وہاں ایک عارف خاتون موجود تھی۔ اس نے کہا "التوحِیدُ ھُوَالْوَاحِدُ" (توحید یہ ہے کہ وہ ایک ہے) شیخ نے کہا تو نے جواب خوب دیا ہے۔ یہ تو بتا کہ تیرا کام کاج کیا ہے؟ کہنے لگی، میں زراعت کے کام میں مشغول رہتی ہوں۔ شیخ نے کہا: زراعت تو مردوں کا کام ہے۔ میں تیرے آس پاس زراعت کے اسباب نہیں دیکھتا، کیسے کھیتی باڑی کرتی ہے؟ عورت نے کہا: میں نے خدا تعالیٰ کے حکم سے نفس کو بیل بنایا اور ہل جوت لیا۔ اپنے سینہ کو زمین بنایا اور اُس میں عبادت و معرفت کا بیج ڈالا اور تمام رات جاگ کر اپنی کھیتی کی رکھوالی کرتی ہوں (مراقبہ ومحاسبہ) اسے گریہ وزاری کے پانی سے سیراب کرتی ہوں (دعا)۔ جب شیخ نے یہ کیفیت سنی تو پوچھا تیرے (وجود کے) باغ و بوستان میں الفت بھی ہے؟

عورت بولی: ہاں، اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے قلوب میں دس باغ پیدا کئے۔ باغِ توحید، باغِ عالم، باغِ حلم، باغِ سخاوت، باغِ توکل، باغِ قسمت، باغِ سنت، باغِ خوف، باغِ رجا بہ رضا اور باغِ تواضع۔ لیکن اس باغ کی شرط یہ ہے کہ جب صبح ہو تو باغبان اپنے باغ کے اندر معائنہ کرے اور اس میں خار وخس پائے تو اسے اٹھائے اور باہر پھینک دے۔ سوائے نہالِ اصلی وشوقِ وصلی کے اور کچھ نہ چھوڑے۔ بس جب مومن توحید کے باغ میں آئے تو خارِ شرک و

Marfat.com

کفر کو باہر نکال پھینکے۔ جب مومن علم کے باغ میں آئے تو نادانی اور جہل کے کانٹے باہر نکال دے اور جب مومن حِلم کے باغ میں آئے تو سرکشی اور بے ادبی کے خار باہر نکال دے۔ جب وہ باغِ سخاوت میں آئے تو خارِ بخل وحرص کو باہر پھینک دے۔ جب وہ باغِ قسمت میں آئے تو دشمنی اور نفاق کے کانٹے باہر نکال دے اور جب مومن سنت کے باغ کے اندر آئے تو بدعت اور ریا کے کانٹوں کو باہر نکال دے۔ اور جب مومن خوف کے باغ میں آئے تو عُجب وکبر کے کانٹوں کو باہر پھینک دے۔ اور جب مومن رجا کے باغ کے اندر آئے تو غصہ اور قہر اور غیبت اور رشوت کے کانٹوں کو نکال دے۔ اور جب مومن تواضع کے باغ میں آئے تو نخوت اور غرور کے کانٹوں کو نکال دے۔

جب اس خاتون نے ان دس باغوں کا حال بیان کیا تو شیخ نے ایک آہ بھری۔ خاتون نے پوچھا: اے شیخ! بیمار ہو گئے ہو یا کہیں درد ہے کہ آہ بھر رہے ہو؟ شیخ نے کہا: ہاں میرے کام میں بھی مرض ہے۔ میرے کام پہ توجہ دو۔

وہ کہنے لگی: تقویٰ کا ہلیلہ لے لو، اپنے دونوں ہونٹوں کو اچھی طرح بند کر لو۔ اُس میں افسوسِ ندامت کے آنسو ملا لو کہ نافرمانی وبدعملی کیوں کی؟ پیٹ کی دیگ کو بند کر کے عشق کی آگ پر چڑھا لو۔ جب یہ پک جائے تو روزانہ صبح وشام اس دوا کو غریبی کے زہر کے ساتھ کھا لو تا کہ صحتِ کاملہ پاؤ اور دنیا کی لعنت سے بھی خلاصی ملے۔ یہ آزمودہ مجرب دوا ہے۔

جیسا کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کا شرح و وضاحت کا ایک انداز ہے۔ آپ اس پر اضافہ فرماتے ہیں:

> ''آدمی کا وجود الٰہی خزائن کی کان ہے۔ اس کان کے اندر پتھر ہیں اور پتھروں میں بے حد قیمتی لعل ہیں۔ جنہیں قدرتِ سبحانی کے خزائن کہا جاتا ہے۔ جس طرح سورج کی نظر ہر وقت پہاڑ پر رہتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نگاہِ رحمت عارفوں کے دل

Marfat.com

پر رہتی ہے یا یہ کہ آدمی کا وجود ظلمات کی طرح ہے اور ظلمات میں آبِ حیات۔ اس آبِ حیات کا طالب سکندر (پر عزم سالک) اور مرشد خضر کی طرح ہونا چاہیے۔"

خلاصہ یہی ہے کہ یہ سب کچھ اس وقت ہونا ہے جب کسی مرشد کی رہنمائی حاصل ہو ورنہ مرض کا کچھ نہ کچھ اثر باقی رہ جائے گا۔

اہل دنیا اور اہل فقر:

لوگ جن پر حقیقتِ اشیاء واضح نہیں ہوتی، ذلت کو عزت سمجھتے ہیں اور عزت کو ذلت۔ ایسے لوگ دنیا داری میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ انہیں اپنے پرفریب ماحول سے نکل کر باہر کچھ اور دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ مگر وہ جو کسی مرشد کے کہنے پر یا کسی طرف سے ہدایت پا کر سوچنے پر اپنے مشاغل سے الگ ہو جاتے ہیں اور مثبت اسلوبِ حیات پا لیتے ہیں نیز دوسری طرح سوچنے لگتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہوتے ہیں جو فلاح پا گئے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ ایک وزیر کے بارے میں حکایت نقل کرتے ہیں جو شاید دوسرے لوگ بھی سناتے رہے ہیں مگر وہ ہے بہت سبق آموز۔

فرماتے ہیں، سنو! کسی وزیر نے بادشاہ کی وزارت چھوڑی اور بڑے اخلاص کے ساتھ فقیری اختیار کر لی۔ اچانک ایک روز اس کی ملاقات بادشاہ سے ہو گئی۔ بادشاہ نے پوچھا ہاں بھئی، ہم سے الگ ہو کر تم نے فقیری سے کیا حاصل کیا؟

اُس نے کہا، "پانچ چیزیں"

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب آپ بیٹھے ہوتے تھے تو ہم دست بستہ کھڑے ہوتے تھے، کبھی آپ نے نہ کہا کہ بیٹھ جاؤ۔ اب خدا تعالیٰ اپنے حضور میں چار رکعت ادا کرنے کے دوران میں مجھے دو بار بٹھاتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب آپ سو رہے ہوتے تھے تو میں آپ کے دشمنوں سے آپ

Marfat.com

کو بچانے کے لئے جاگتا تھا۔اب میں مزے سے سوتا ہوں اور خدا تعالیٰ میرا محافظ ہوتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ جب آپ کھانا کھاتے تھے تو ہمیں کھانے کے لئے نہیں دیتے تھے۔اب میرا خدا خود تو نہیں کھاتا ہے مگر مجھے کھلاتا ہے۔

چوتھی چیز یہ حاصل ہوئی کہ اگر تو مرجاتا تو لوگ مجھ سے میرا حساب کتاب پوچھتے مگر میرا خداوند تعالیٰ حیّ قیوم ہے، اسے نہیں مرنا ہے لہٰذا میں کسی پوچھ گچھ سے بےفکر ہوں۔

پانچویں چیز یہ ملی کہ ہمیشہ مجھے تیرے قہر اور عتاب سے ڈر لگا رہتا تھا اور میں اپنی جان و مال کے جانے پر خوفزدہ رہا کرتا تھا مگر اب مجھے معلوم ہے کہ خداوند تعالیٰ بخش دینے والا ہے تو میں چین میں ہوں۔(۳۶)

صوفیاء ایسی ہی حکایات کے ذریعے اپنے پیروؤں کو حقیقت ملاحظہ کرنے کی ترغیب دیا کرتے ہیں اور بالآخر لوگوں کو وہ فراست حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ کھرے کھوٹے کو پہچان لیتے ہیں اور گمراہی سے بچ جاتے ہیں۔

یہ مال و دولتِ دنیا:

اس جہاں میں بہت سی دوسری چیزوں کی طرح مال و دولتِ دنیا اچھی بھی ہے اور بری بھی۔جیسے کوئی اسے استعمال کرتا ہے اس کے مطابق حکم لگایا جاتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ آیا اس کی بجائے بندے کے لئے افلاس اور ناداری اچھی ہے کہ اس میں صبر کرنے کا موقع ملتا ہے اپنی جگہ پر غور طلب ہے۔

میرے خیال میں اسلامی طرزِ زندگی میں دونوں اس لحاظ سے یکساں قدر و قیمت رکھتی ہیں، ناداری بھی اور دولت مندی بھی، کیونکہ قرآنِ مجید کی تعلیم تو یہ ہے کہ انسان اپنی زندگی میں ہر وقت امتحان میں ہے۔ایسے احوال سے گزر رہا ہے جہاں وہ ردعمل کے طور پر اپنی استعداد کے مطابق اپنی اچھائیوں اور برائیوں کو ظاہر کرنے پر مجبور ہے۔بس وہ اپنے لئے راہ منتخب کر رہا ہے اور اس کے مطابق اس کی پیدا کرنے والی قدرت اسے جانچتی چلی جا رہی ہے۔اسی جانچ

Marfat.com

پڑتال میں وہ جنت کا امن وسکون پاتا ہے یا دوزخ کی سزا وعذاب۔

''بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھ بادشاہت ہے اور وہ
سب چیز کر سکتا ہے۔ جس نے بنایا مرنا اور جینا کہ تم کو جانچے،
کون تم میں اچھا کرتا ہے کام اور وہ زبردست ہے بخشنے والا۔''

(قرآن مجید ۲۹:۱،۲)

صوفیاء کرام نے جب اس صورت حال پر نظر ڈالی تو انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر ﷺ کی خواہش اور دعا ''اے اللہ میری زندگی مسکینوں کے جیسی کر اور موت بھی ویسی اور حشر کے روز بھی مسکینوں کے ساتھ اٹھانا'' کے مطابق افلاس گوارا ہے۔ اس سے انسان کو اپنی تربیت کا بہت موقع ملتا ہے مگر مال و دولت میں بھی کوئی ایسی صفت ہے؟ فقیروں اور درویشوں کے نزدیک مال و دولتِ دنیا میں ایک ایسی کج روی کا خدشہ ہمیشہ موجود رہتا ہے جو انسان کی فطری کارکردگی میں خلل پر منتج ہوتا ہے۔

دولت آنے سے حرص بڑھتی ہے۔ اگر کوئی شخص ذاتی طور پر اس حرص کی تحریک سے بچ جائے تو اس کی اولاد اور اس کے اردگرد کے لوگ تو ہرگز نہیں بچ سکتے۔ ان کا بچ جانا محالات میں سے ہے۔

روپیہ پیسہ جب انسان کے ہاتھ آتا ہے تو اردگرد جتنی شر کی قوتیں (شیطان) تاڑ میں ہوتی ہیں، وہ اس کے لئے شر کے امکانات کے دروازے کھول دیتی ہیں تب آزمائش شروع ہو جاتی ہے۔

وہ لوگ جو روحانی ارتقاء کے کسی مرتبے تک پہنچ چکے ہیں وہ اپنے آپ کو ذہنی اور اخلاقی طور پر اپنے تئیں اس کے برے اثرات سے اپنے آپ کو بچا لیتے ہیں مگر وہ کیسے بچیں گے جن کو کوئی بچانے والا نہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی فکر کے مطابق ایک تو ایسا عالم بچ جاتا ہے جو

Marfat.com

اپنے علم کو عمل میں لاتا ہے۔

دوسرے وہ فقیرِ کامل بچ جاتا ہے جو معرفت اور دانائی کی بدولت شر کو رفع دفع کر سکتا ہے اور تیسرے وہ شخص بھی امان پاتا ہے جو دولت رکھتا ہے مگر فیاضی سے اسے دوسروں پر خرچ کرتا ہے۔ یہ ایک اتنا بڑا عمل ہے جس کے سامنے شر کی ساری قوتیں بے اثر ہو جاتی ہیں۔

اپنی باتوں کو سمجھانے کے لئے حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مکالمہ کا ذکر کیا ہے جو حضرت پیر دستگیر محبوب سبحانی قدس سرہ العزیز اور ابلیس کے درمیان ہوا۔

''جان لے، کہ ایک روز حضرت پیر دستگیر محبوب سبحانی گھر سے باہر نکلے تو دروازے پر ابلیس کو کھڑے دیکھا۔ آپ نے فرمایا، اے ابلیس ملعون، تو یہاں کیوں آیا ہے۔ چلا جا! ابلیس کہنے لگا، اے غوث الاعظم، ایک غلام درہمِ دنیا اندر لے گیا ہے اس درہم کے انتظار میں کھڑا ہوں کیوں کہ دنیا کی دولت میری متاعِ قلیل ہے......

''اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، 'اے پیغمبر کہہ دو، دنیا ایک تھوڑی سی پونجی ہے'...... جو کوئی درِ دنیا پر نگاہ رکھتا ہے وہ میری جان ہے اور شیاطین بے دین کا بھائی ہے۔

''حضرت پیر دستگیر اندر تشریف لے گئے اور درہم دنیا لا کر ابلیس کو دے دیئے اور شیطان نے ان درہمِ دنیا کو چوم کر آنکھوں سے لگایا۔ حضرت پیر قدس سرہٗ نے فرمایا: اے ملعون! تو نے درہمِ دنیا کے ساتھ ایسے کیوں کیا ہے؟ ابلیس نے کہا: یا پیر، درہمِ دنیا میری جسم و جاں ہے، جو کوئی ان کو محبت سے پکڑتا ہے تو ہاتھ سے ان کا اثر اس کے دل تک پہنچتا ہے اور درہمِ دنیا کو ہاتھ میں لینے سے اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے وہ نیکی کے راستے سے منہ موڑ لیتا ہے اور تکبر و غرور، ہوا و حرص و حسد و طمع اور اس طرح کی دیگر مذمومات کی راہ میں پھنس جاتا ہے اور راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے۔ ابلیس نے کہا: اے پیرِ دستگیر، اہلِ ہوس خواہ عالم ہوں یا فاضل، خواہ جاہل ہوں یا فقیر اہل تقویٰ میرے طالب اور مرید ہیں۔ دنیا میری مرید ہے۔ جو اس کے غلام ہیں، وہ میرے غلام ہیں۔ ہر وہ شخص جس کے گھر میں دنیا آتی ہے وہ میرا بھائی ہو جاتا ہے اور پھر اس گھر

Marfat.com

کو جہاں میرا بھائی رہتا ہوا اپنی جان سے عزیز رکھتا ہوں اور اس کا ایمان چھین لیتا ہوں اور سچائی کی راہ اس پر بند کر دیتا ہوں.............

''حضرت پیر نے اُس سے پوچھا کہ اے ملعون، تیرے نزدیک تیرا سخت ترین دشمن کون ہے؟

''ابلیس نے کہا: تین شخص میرے سخت ترین دشمن ہیں جو ہر وقت میری جان پر تیر چلاتے رہتے ہیں۔ ایک عالم عامل جو دنیا میں علم کا چراغ روشن کرتا ہے اور دوسرا میرا دشمن فقیر کامل ہے جو ذکر اللہ اور معرفتِ الٰہی سے مجھے یا میرے بھائی نفس امارہ کو قتل کر ڈالتا ہے۔ تیسرا میرا دشمن سخی ہے جو سخاوت کی چھری سے میرے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے۔ کیونکہ میں سخی کے دونوں ہاتھ پکڑ لیتا ہوں کہ سائل کو مت دو۔

''علماء عامل اور فقیر کامل معرفت کی موج دریا ہے اور سخی ہونا ایک ایسی صفت کریمی ہے جو ہمیشہ خدا سے ملاتی ہے۔'' (۳۷)

سلطان صاحبؒ کے نزدیک سب برائیوں کی جڑ دنیا کی محبت ہے۔ دنیا سے محبت کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کسی طرح معاف نہیں کرے گا۔ فرماتے ہیں:

> ''اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ: اے موسیٰ! دنیاوی محبت کی طرف مائل نہ ہونا کیونکہ اس کی محبت سے بڑھ کر تیرے واسطے کبیرہ گناہ نہیں اور موسیٰ علیہ السلام جب ایک شخص کہ پاس سے گزرے تو وہ رو رہا تھا اور جب واپس آئے تو بھی اسے روتے ہوتے دیکھ کر بارگاہِ الٰہی میں عرض کی کہ یہ بندہ تیرے خوف کے بارے رو رہا ہے۔ حکم ہوا کہ عمران کے بیٹے! اگر وہ خوف بھی روئے اور اپنے ہاتھ دعا کے لئے اٹھائے اور تکان سے گر پڑے تو پھر بھی میں اسے نہیں بخشوں گا کیوں

Marfat.com

کہ وہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔'' (۳۸)

گھر کے اندر کتا:

بندہ اپنے اندر کے تضادات کے ہاتھوں مارا جاتا ہے۔ مثلاً صوفیاء اکثر اپنے مریدوں کو تنبیہہ کرتے ہیں کہ اللہ کی محبت اور دنیاداری کی محبت ایک دل میں جمع نہیں ہو پاتیں۔ سلطان صاحبؒ دل کو ایک گھر کی مانند تصور کرتے ہیں جو ذکر وفکر سے پاک رہتا ہے۔

سی حرفی (ابیات۔کے مجموعہ میں ایک دوہا) اس مصرع سے شروع ہوتا ہے۔

ایہہ تن رب سچے دا حجرہ پا فقیرا جھاتی ھو

راقم نے اس کی شرح میں لکھا تھا: ''حضرت سلطان العارفینؒ بدن کو ہیکل یا حلقہ نہیں کہتے بلکہ اس کے لئے حجرہ کا استعارہ لاتے ہیں۔ ایک تو حجرہ عوام الناس کی سمجھ کے زیادہ قریب ہے اور دوسرے اس کے ساتھ دینی تقدس اور عبادت گزاری کا تصور وابستہ ہے کیونکہ ہمارے کلچر میں حجرہ وہ جگہ ہے جہاں کوئی درویش روزانہ یا کبھی کبھار معتکف ہو کر عبادت کرتا ہے۔'' (۳۹)

لیکن کبھی کبھی آپ اس سے بڑھ کر دل کو گھر کہہ دیتے ہیں۔ جس کے اندر پورا ایک خاندان رہتا ہے اور اس کا نظام چلتا ہے۔ یہ گھر بہت پاک صاف اور بابرکت ہے مگر جب اس میں ناپاکی گھس آتی ہے تو پھر ہر طرف گندگی پھیل جاتی ہے۔

گھر میں صفائی اور گندگی ایک جگہ نہیں رہ سکتیں۔

سلطان صاحبؒ نے ایک عام مشہور حدیثِ رسول ﷺ کے حوالے سے اس امر کی وضاحت کی ہے مگر اس حالت کو آپ نے جس زاویہ سے دیکھا ہے، وہ انہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

حدیث مشہور ہے کہ جس گھر میں کتا گھس آئے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔

Marfat.com

لوگ اس کو ظاہری لفظوں کے معنی پر محمول سمجھتے ہیں جب کہ فقہی اعتبار سے کتے کے گھر میں رکھنے کی اجازت عطا کی گئی ہے۔ حفاظت کے لئے، شکار کے لئے، خدمت کے لئے جیسے یورپ میں سدھائے ہوئے کتے سب سے بہتر کام سرانجام دیتے ہیں۔

پھر اصحابِ کہف کا کتا، جو اپنے نیک و پارسا مالکوں کے ہمراہ رہا۔

سگِ اصحابِ کہف روزے چند

پَے نیکاں گرفت، مردم شُد

(اصحابِ کہف کے کتے نے چند روز نیکوں کا ساتھ دیا تو وہ انسان بن گیا)

بعض اوقات کتے کی وکالت میں مجھے تو عرض کرنی پڑتی ہے کہ کتے پر ہی کیوں الزام دیں، یہاں تو بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ جس جگہ پر موجود ہوں، اللہ کی رحمت دور دور رہتی ہے۔

چنانچہ حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی نہایت دانشمندانہ وفقیرانہ انداز میں توجیہہ فرمائی ہے۔

''جان لے کہ دل پاک گھر کی طرح ہے اور اللہ کا نام فرشتہ کی مانند اور دنیا کی محبت کتے کی مثال ہے لہٰذا جس گھر میں کتا ہو اس میں ہرگز فرشتۂ رحمت نہیں آتا۔'' یعنی اس دل میں رحمت داخل نہیں ہوتی جس میں حبِ دنیا نے ڈیرہ ڈال رکھا ہو۔(۴۰)

حقارت ہرگز نہیں!

کسی بھی ضابطۂ اخلاق کی رو سے کسی انسان کو حقارت سے دیکھنے کا کوئی جواز نہیں۔

یہی کہا جاتا ہے کہ کسی انسان میں برائی دیکھو تو اس کی برائی سے تو ضرور نفرت کرو مگر اس انسان کو نفرت اور غصے کا نشانہ نہ بناؤ بلکہ ایک لحاظ سے وہ انسان تو قابلِ رحم ہے، وہ تو مظلوم ہے کہ اس کے ساتھ فسق وگمراہی کی آلودگی چمٹ کے رہ گئی ہے۔

کسی وقت بھی اس امر کا امکان ہوسکتا ہے کہ وہ اس برائی سے نجات حاصل کرلے

Marfat.com

اوران لوگوں سے کہیں اچھا انسان بن جائے جواس پر حقارت کی نظر ڈال رہے ہوں۔

ہماری دینی روایت میں تو توبہ کا مقام بہت بلند ہے۔توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ گویا وہ ابھی معصوم پیدا ہوا ہے۔بعض لوگ تو توبہ کرنے والے کو کبھی گناہ نہ کرنے والے سے اونچا مقام دیتے ہیں۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے عبرت کے لئے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے۔

''ایک نیک و پارسا آدمی کہیں جارہا تھا۔اتفاق سے اس کے سامنے ایک فاسق آدمی آ گیا جو اپنی عمر کا قیمتی سرمایہ فسق و فجور میں برباد کر چکا تھا اور اپنے سانسوں کی جاودانی کو خاک میں ملا کر سیاہ کر چکا تھا اور اپنے خرمنِ حیات کو آگ میں جلا کر اپنی آبرو گنوا چکا تھا۔اس صالح آدمی نے عُجب سے بہ نظر حقارت اسے دیکھا اور بولا: ''یا اللہ! مجھے اور اس فاسق کو کہیں جمع نہ کرنا۔''

اسی دوران وہ فاسق غفور الذنوب کی درگاہ کی جانب متوجہ ہوا اور خائف ہو کر اپنے عجز پر نظر ڈالی اور جو...... عمل میں شائستہ کی ٹہنی پکڑنا چاہی مگر پکڑ نہ سکا۔اس کے دل سے درد بھری آہ نکلی، چشم گراں سے اشکِ حرماں بہا کر عرض کی: اے پروردگار! اس عاجز پر رحم کر کہ تیرے سوا اس کی خبر گیری کرنے والا اور کوئی نہیں۔

عرش کے اوپر سے غیب سے آواز آئی کہ دونوں کی دعا قبول ہو گی۔چونکہ فاسق نے نیاز مندی اور فریاد کے ساتھ میرے دامن کو دستِ امید سے پکڑا ہے اس لئے میں نے اسے اپنے دامنِ عفو میں چھپا کر بخش دیا ہے۔جب کہ زاہد نے راہ عُجب اختیار کی اس بیچارے کو نگاہِ حقارت سے دیکھا ہے تو وہ اَنَـا خَیـرٌ مِنـه (میں اس سے اچھا ہوں) کے مقامِ ناکام پر آ گیا۔میں نے اس کو مردود کر دیا اور جب بھی کوئی یہ شامت انگیز کلمہ کہتا ہے میں اس متکبر کو یہی مقام دیتا ہوں۔ جو ریاضت عُجب آلود ہو جائے وہ کوئی مرتبہ حاصل نہیں کر سکتی۔(۳)

Marfat.com

لُغت:

عُجب وفخر کردن: اپنے بارے میں بڑائی کا سوچنا عُجب کہلاتا ہے۔

رب العالمین کا مقامِ ربوبیت:

دینی حلقوں میں ہمارے اہلِ علم کی چھان بین بعض اوقات ایسا رخ اختیار کرتی ہے کہ ان کے نزدیک انسان وہی ہوتے ہیں جو انہی کے مذہب اور فرقہ اور مسلک سے تعلق رکھتے ہیں اس کے علاوہ وہ کسی کو برابری کے معاشرتی حقوق دینے کو تیار نہیں ہوتے۔

صوفیاء کرام اپنے دینی حلقوں میں ہمارے اہلِ علم کا یہ حق تسلیم کرتے تھے کہ وہ قانون کی پاسداری کریں اور مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔ مگر جہاں پر غیر مسلموں کو بنیادی انسانی حقوق دینے کی بات آتی تھی تو وہ ان سے الگ روائے رکھتے اور اسے ظاہر کرنے کو اپنا فرض سمجھتے تھے۔ چنانچہ مسلمانوں کی تاریخ گواہ ہے کہ انسانی خدمت کے معاملے میں صوفیاء کرام نے کبھی مسلم وغیر مسلم میں تمیز نہیں برتی۔ وہ سب کے ساتھ یکساں منصفانہ سلوک کرتے تھے۔

اللہ رب العالمین (سارے جہانوں کو پالنے والا) ہے۔ سب مخلوق کا رب وہی ہے۔ وہ جب مقامِ ربوبیت سے اپنی مخلوق پر نظر کرتا ہے تو کسی کو وہ اپنی رحمت سے محروم نہیں کرتا۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے دو مثالیں بیان فرمائی ہیں:

ایک روز جبریلؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے اور کہا: ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آج میں نے جو کچھ دیکھا پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ شہر میں ایک بت پرست بت کو اپنے سامنے رکھ کر کہہ رہا تھا، 'اے میرے رب! اے میرے رب!' مقامِ ربوبیت سے آواز آئی: 'اے میرے بندے، میں حاضر ہوں' میں نے کہا، 'خداوند! ایک بت پرست کو یہ کیا جواب مل رہا ہے؟' خداوند نے فرمایا: 'اے جبریل! اگرچہ وہ رب کو فراموش کر بیٹھا ہے پر میں تو جانتا ہوں کہ اس کا رب کون ہے؟ پس میں اپنے نام کو کیسے فراموش کر دوں؟ غلطی ہماری بارگاہ میں نہیں ہوتی۔ درحقیقت چونکہ رب میں ہی ہوں تو جو کوئی مجھے پکارے، میں اس کو

Marfat.com

جواب دیتا ہوں۔"

سلطان صاحبؒ عالموں اور اور فاضلوں کو توجہ دلاتے ہیں کہ اللہ رب العالمین کے کرم پر غور کرو اور اس سے کرم سیکھو، تکبر سے انسانوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مت دیکھو۔

اسی طرح ایک اور حکایت سلطان صاحبؒ نے بیان فرمائی ہے کہ ایک بہت بڑے ولی کی ملاقات ایک فرشتے سے ہوگئی۔ پوچھا، کہاں جا رہے ہو؟ فرشتہ بولا کہ ایک یہودی مچھلی پکڑنے کی ہوس میں مبتلا ہے اور پانی میں مچھلی نہیں ہے۔ رب العالمین کا حکم یوں ہے کہ دریا کے پانی سے مچھلی نکال کر اس پانی میں ڈال دوں تاکہ یہودی اپنے دل کا مقصد و مطلب پائے اور درگاہِ حق تعالیٰ سے ناامید نہ ہو جائے۔(۴۲)

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان لوگوں سے جو ہدایت کے راستے سے بھٹک گئے ہیں اللہ تعالیٰ ایسا سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے دوستوں کو کیسے اس سے محروم رکھے گا۔

ایمان کے معاملے میں تو آپ انسانی گروہوں کو الگ الگ دیکھتے سکتے ہیں مگر جہاں انسانی خدمت کا معاملہ آجائے وہاں اللہ کی نظر میں سب ایک ہیں۔ **الحمد لِلّٰہِ رب العالمین** (سب تعریف اللہ کے لئے جو سب جہانوں کو پالنے والا ہے)۔

ہر زماں اپنے عمل کا حساب......محاسبہ:

آج کی دنیا داری کی نفسیات بھی کامیابی اور ترقی کا ایک گُر بتاتا ہے کہ سونے سے پہلے ایک بار اپنے دن کی کارکردگی پر ایک نظر ضرور ڈال کر دیکھو کہ کون سا کام غلط ہو گیا اور کون سا کام درست ہوا۔ صرف ایک بار ایسا کر لینے سے اگلے روز تمہارے رویے میں تبدیلی آجائے گی۔

صوفیاء کام کرتے ہوئے خبردار رہتے ہیں کہ کہیں کوئی غلطی نہ ہو جائے (مراقبہ) اور کام سے فارغ ہو کر اپنے کاموں پر ایک تنقیدی نظر ڈالتے ہیں کہ کہاں کام اچھا ہوا اور کہاں کوئی کوتاہی رہ گئی۔ (محاسبہ)

Marfat.com

صوفیاء اس سے آگے بڑھتے ہیں اور کسی فارغ وقت میں اپنی پچھلی زندگی کو بھی دیکھنے لگتے ہیں مگر اپنی کوتاہیوں کو دیکھ کر وہ مایوسی اور قنوطیت کا شکار نہیں ہو جاتے جیسا زیادہ حساس اور کم سمجھ لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے بلکہ ان کی فکر اور تجربہ انہیں آگے بڑھنے کے لئے مہمیز کا کام دیتی ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے حاتم اصمؒ کی مثال دی ہے کہ ایک روز وہ اپنے نفس کے ساتھ گزشتہ عمر کا محاسبہ کر رہے تھے اور کہنے لگے: اے نفس! تیری عمر ساٹھ سال ہو گئی ہے۔ تیری اس عمر کے دن اکیس ہزار چھ سو بنتے ہیں۔ بعدۂ ایک آہ کی اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو عقیدت مندوں نے پوچھا کہ آپ کی یہ بے ہوشی کیسی تھی؟ کہنے لگے: میں اپنی عمر کے دنوں کا اپنے نفس کے ساتھ محاسبہ کر رہا تھا کہ حساب کیا جائے تو دنیا میں ساٹھ سال ہو گئے۔ اگر بلوغت سے پہلے کے اوقات کو نکال دیا جائے تو سولہ ہزار دو سو دن رہ گئے۔ میں نے کہا اے نفس تو نے ہر روز تیس گناہ کئے ہوں گے۔ کہنے لگا نہیں میں نے کہا، دس؟ کہنے لگا نہیں، میں نے کہا، پھر ایک تو کیا ہوگا، اس پر اس نے اقرار کر لیا۔ میں نے کہا کہ اگر ہر گناہ پر تو ایک ایک پتھر کسی جگہ پر رکھتا جاتا تو ایک پہاڑ بن جاتا اور اگر ہر گناہ پر مٹھی بھر خاک کہیں ڈال دیتا تو ایک ڈھیر لگ جاتا۔ اے نفس! آخرت کے خوف کے ہوتے ہوئے تو نے اتنے گناہ کیوں کئے۔ تو اس نے ڈر کو کیوں نظر انداز کر دیا کہ تیرے باپ آدم علیہ السلام کو ایک گناہ کی ذلت کے پیش نظر دنیا کے قید خانے میں بھیج دیا گیا اور سرزنش کی۔ اللہ فرماتا ہے: ''اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا، اس کی راہ نہ پائی''۔ بے چارے آدم زاد کو اتنے گناہ کرنے پر کیسے نجات ہو سکتی ہے؟ عزازیل کو ایک گناہ پر لعنت کا داغ ملا۔ اس کو ابلیس کہہ دیا گیا اور تمام جہان میں یہ آواز پہنچ گئی کہ ''بے شک تجھ پر میری لعنت ہے قیامت کے دن تک''۔

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تو ایک ولی اللہ کی مثال دی ہے جس کی عمر کا ایک دن میں صرف ایک گناہ شمار کیا گیا ہے مگر ایک عام مسلمان کے کتنے گناہ ہوں گے؟ لہٰذا ہر مردِ

Marfat.com

مسلمان کو گناہ وثواب کے پلڑے کا خیال رکھنا چاہئے۔(۴۴)

طالب صادق:

فقر و عشق کے حلقہ میں جب کوئی نو وارد داخل ہوتا ہے تو وہ طالب کی حیثیت سے آتا ہے۔

طالب بننے کے لئے بھی کچھ کوائف ضروری ہیں۔ مثلاً طالب کے اندر طلب کی شدت موجود ہو۔ وہ جہاں بھی اپنے ذوق کے مطابق تعاون پائے تو اسے قبول کرے۔ اسے درویشوں اور فقیروں کی مجلس وصحبت پسند ہو، وہ صوفی بزرگوں کی کتابوں کو اپنے مطالعہ میں رکھتا ہو۔ جہاں بھی کسی خدا رسیدہ کو قیام پذیر سنے، وہاں پہنچنے کی خواہش کرے۔ اس طرح وہ روحانیت میں آگے بڑھتا جائے گا۔ یہاں تک کہ کسی مرشد کی توجہ سے کسی نہ کسی مقام تک جا پہنچے گا۔ سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ جب طالب کا ذکر کرتے ہیں تو ان کے ذہن میں کسی ایسے ہی طالب کا تصور موجود ہوتا ہے۔ جب وہ کہتے ہیں:

طالب بیا، طالب بیا، طالب بیا
تا رسانم روزِ اول باخدا

(طالب آ، طالب آ، طالب آ
تا کہ میں پہلے ہی دن تجھے خدا تک پہنچا دو)

تو ان کے دل میں ایسے طالب کا خیال ہوتا ہے جو اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ بس اب اسے صرف مرشد کی دست گیری درکار ہے۔ اور کوئی چیز اس کی روحانی ترقی میں مانع نہیں ہے۔

سلطان صاحبؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ ایک لمبا عرصہ باصلاحیت واستعداد طالب کی تلاش میں پھرتے رہے ہیں مگر انہیں اس معیار کا کوئی طالب کہیں نظر نہیں آتا۔

صلاحیت واستعداد کے ساتھ ساتھ وہ جو چیز طالب میں دیکھنا چاہتے ہیں وہ ہے اعتقاد، خلوص اور لیاقت۔

Marfat.com

فرماتے ہیں: ''ایک بزرگ کے ہاں ایک ہزار طالب اس مرتبہ کے تھے کہ پانی پر مصلے ڈال کر نماز پڑھ لیتے تھے۔ کسی نے اس بزرگ سے پوچھا کہ ان طالبوں میں سے صاحبِ اعتقاد کتنے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، تم خود تحقیق کر کے گن لو۔ وہ شخص ان کے طالبوں کے پاس آ گیا، تحقیق کی اور اس بزرگ سے جا کر کہا، ان ہزار طالبوں میں سے چالیس طالب خاص صاحبِ اعتقاد ہیں۔ اس نے بزرگ سے پوچھا کہ ان چالیس میں سے کتنے؟ کیا چالیس میں سے بیس؟ پوچھا بیس میں سے کتنے؟ کہا، ان میں سے دس۔ پوچھا، دس میں سے کتنے؟ کہا دس میں سے پانچ۔ پوچھا، پانچ میں سے کتنے؟ کہا دو۔ اور ان دو کے برابر کم طالب اللہ ہوں گے۔ اس بزرگ نے جواب دیا کہ تم طالبوں کو پرکھنے والی نظر نہیں رکھتے۔ میری نظر میں تو یہ دونوں بھی صرف قتل کے گواہ بن سکتے ہیں۔''

مطلب یہ ہے کہ یہ دو بھی صرف اس قدر ہی دیکھ سکتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ حکایت میں سبق یہ ہے کہ ان میں سے ایک بھی صاحبِ اعتقاد اس بزرگ کے اعلیٰ معیار کے مطابق صاحبِ استعداد نہ تھا۔

فرماتے ہیں: ''جان لے! کہ محال ہے کہ طالب لائقِ سرّ ہو جو مدخل اسرارِ الٰہی ہو سکے۔ اس دور میں طالب اہل مزار ہیں، وہ کمینی دنیا کے طالب ہیں اور اسی سے وہ قرار پاتے ہیں۔'' (۴۴)

فقراء مثل آئینہ:

تعبیر رویاء (قرآن مجید کے الفاظ میں تاویل الاحادیث) کو حضرت یوسف علیہ السلام کا معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو از قسم علم غیب بھی خیال کیا جاتا ہے کیوں اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔

تعبیر رویاء کی رو سے جب آدمی اپنے سے کسی بڑے مرتبے کے شخص مثلاً مرشد، ولی، استاد اور بادشاہ کو کسی حالت و کیفیت یا کسی کام میں مشغول دیکھتا ہے وہ تو دراصل اس کی اپنی

Marfat.com

حالت و مشغولیت ہوتی ہے۔

خواب کے علاوہ ویسے بھی دیکھا جائے تو مومن کو مومن کا آئینہ کہا گیا ہے۔ ہم بعض اوقات جو اولیاء اللہ کو اپنے پر قیاس کر لیتے ہیں وہاں یہی غلط فہمی کام کر رہی ہوتی ہے۔ دراصل ہم خود کو ان کے آئینے میں دیکھ کر ان کو بھی اپنے جیسا سمجھ لیتے ہیں۔ عملی سلوک میں یہ بہت اہم نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک بادشاہ تھا جس کا مرشد کامل تھا۔ اس نے کسی سے کہا کہ جا کر میرے مرشد کو دیکھو کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ اس نے جا کر دیکھا کہ مصلے پر تسبیح کی جگہ ایک کتا بیٹھا ہے۔ یہ خبر بادشاہ کو پہنچی، بادشاہ نے کہا کہ کوئی دوسرا شخص جائے چنانچہ وہ بھی بھیجا گیا اس نے بھی جا کر دیکھا کہ مصلے پر شیخ کی بجائے سؤر بیٹھا ہے۔ اس نے آ کر بادشاہ کو سب بتا دیا۔ اس پر بادشاہ خود گیا تو اس نے دیکھا کہ مصلے پر خود شیخ ہی بیٹھے ہیں۔ اس نے مرشد سے یہ حقیقت بیان کی تو مرشد نے کہا کہ اے بادشاہ! وہ شخص جس نے مجھے کتا دیکھا، طالب دنیا ہے اور وہ شخص جس نے مجھے سؤر دیکھا وہ ایک دیوث آدمی ہے۔

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ''فقراء مثل آئینہ اند'' (فقراء آئینے کی طرح ہوتے ہیں) اس لئے دیکھنے والا انہیں جس صورت میں دیکھتا ہے وہ اس کی اپنی ہی صورت ہوتی ہے۔ جو کوئی کسی فقیر کو بے برکت و خالی سمجھتا ہے وہ خود دونوں جہان میں خالی و بے برکت ہوتا ہے۔(۴۵)

نیک اور بد اور فقیر:

ابتدائے آفرینش کا بیان ایسا ہے کہ جب بھی اس کو بیان کرنے اور سمجھنے کی نوبت آئی تو آسمانی کتابوں اور شرح علوم اولیاء اللہ میں اس کا بیان ہمیشہ تمثیلی اور علامتی ہو گیا۔

دراصل آفرینش عوالم و مخلوقات کا واقعہ بیان میں ایسے تہہ در تہہ پہلو رکھتا ہے کہ اسے کسی عام علمی موضوع کی طرح سمجھایا نہیں جا سکتا۔ مثلاً کچھ باتیں الوہی تصور سے متعلق تھیں مگر

Marfat.com

وہ ایسی ہی تھیں کہ گویا حقیقت میں موجود تھیں یعنی ہمارے لئے حقیقت بننے سے پہلے ہی حقیقت تھیں۔

بظاہر تو ''کُن'' الٰہی ارادہ تھا مگر الٰہی ارادہ بھی تو اللہ کا عمل اپنے ساتھ اور اپنے اندر لئے ہوتا ہے اس لئے ''کُن'' میں ارادہ اور عمل اور اس کا نتیجہ سب شامل ہیں۔

ازل میں ''کُن'' کا کلمہ حکم بھی تھا اور عمل بھی اور ساتھ ہی مخلوقات بھی اسی عمل تخلیق کا حصہ تھیں۔

اس تخلیق میں اور بہت کچھ شامل تھا مگر انسانوں میں تین طبقے واضح تھے:

نیک اور بد اور فقیر

نیکوکاروں میں متقی، پارسا، زاہد، عالم اور فقیہ سب آ گئے اور جنت کے مستحق قرار دیئے گئے۔

بدکاروں میں سب دنیا دار اور کافر اور منافق آ گئے جو دوزخ کا ایندھن ٹھہرائے گئے۔

ایک تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جن کو بہشت ہی پسند تھی نہ دنیا، وہ سب اللہ کا اشتیاق رکھتے تھے، انہیں دنیا و عقبیٰ کی خبر ہی نہ تھی۔ یہ فقراء تھے۔

چنانچہ تاریخ عالم میں ایسے فقیروں کے احوال مطالعہ کئے جا سکتے ہیں جنہوں نے اللہ کی خاطر انسانوں کے انفرادی اور نوعی ارتقاء میں پورا پورا حصہ لیا اور اس کے لئے کسی اجر کے خواہاں نہ ہوئے۔

سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو یوں علامتی انداز میں بیان فرمایا ہے۔

''اس کتاب کا مصنف کہتا ہے کہ ابھی مخلوق کا نام و نشان بھی نہ تھا (سب ایک مخفی خزانہ تھا) خدا کہاں تھا؟ میں کہاں تھا؟ میں خدا کے ساتھ تھا اور خدا میرے ساتھ تھا۔ اس آیت

Marfat.com

کریمہ عظیمہ کے بموجب 'تم جہاں بھی ہوتے ہو، میں تمہارے ساتھ ہوتا ہوں'

............جب اللہ نے چاہا کہ خود کو ظاہر کرے تو اپنی زبانِ قدرت سے فرمایا: 'کُن'

اس امرِ کُن سے کل مخلوق پیدا ہو کر اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوگئی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے دائیں طرف نظرِ رحمت و جمالیت کر کے بہشت کو اس کی متعلقہ زینت سے آراستہ کیا اور بائیں طرف نظرِ قہر و غضب و جلالیت سے دنیا کو اس کی متعلقہ چیزوں اور نفس و شیطان سے آراستہ کیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے فرمایا:

'کیا میں تمہارا رب نہیں؟'

''اس فرمان کو کل و جز کی تمام ارواح نے سنا اور جواب دیا۔ 'ہاں کیوں نہیں؟' پھر تمام روحیں دوڑیں، کچھ دائیں طرف آ کر بہشت میں داخل ہوگئیں اور صاحبِ تقویٰ و صاحبِ فتویٰ عالم بن گئیں اور کچھ بائیں طرف آ کر دنیا میں داخل ہوگئیں اور اہل دنیا کاذب و کافر منافق بن گئیں اور کچھ ارواح اللہ تعالیٰ کے روبرو کھڑی رہیں اور اللہ تعالیٰ کی منظور نظر بن کر مشرف حضور ہوئیں اور فقر حضوری کو اپنا رفیق بنا کر فقیر کا خطاب حاصل کیا۔ اس وقت فقراء نے نہ تو بہشت کی خواہش کی اور نہ ہی دنیا سے کوئی غرض رکھی بلکہ دنیا و عقبیٰ کی خبر تک نہ رکھی اور شوق و اشتیاق سے اللہ اللہ کا ورد کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ خاموش خون جگر پیتے ہیں۔'' (۴۶)

ابیات میں ان عشاق کا بلند مرتبہ بیان فرمایا ہے:

غوث قطب ہن اُرے اریرے عاشق جان اگیرے ھو
جیہڑی منزل عاشق پہنچن غوث نہ پاون پھیرے ھو
عاشق وچ وصال دے رہندے لامکانیں ڈیرے ھو
قربان تنہاں توں باھو جنہاں ذاتوں ذات بسیرے ھو (۴۷)

یہ وہ فقیر عاشق ہیں جو مکان سے آگے ذات پر نظر رکھتے ہیں اور اللہ سے خود اللہ کو ہی چاہتے ہیں۔

Marfat.com

رول ماڈل......انبیاء علیہم السلام:

نیکوکار لوگوں کے امور دنیا و آخرت میں رول ماڈل انبیاء ہوتے ہیں۔ یہ نیکوکار چونکہ ولایت کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں اس لئے مثالی کردار بھی ان کے لئے ان سے اونچے مرتبے کے لوگ ہوتے ہیں یعنی انبیاء کرامؑ۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ قسم کے لوگوں کو خصوصی طور پر پیغمبروں کا پیرو دیکھا ہے۔

یہ لوگ اپنی انسانی صورت حال میں پیغمبروں کی ذات میں اپنا رول ماڈل دیکھتے ہیں اور فطری و طبعی طور پر ان کو اپنا مقتداء سمجھتے ہیں۔

ماتحتی، نوکری اور غلامی میں اگر کوئی معیار سامنے رکھنا ہو تو حضرت یوسف علیہ السلام کی زندگی ایک بہت بڑی مثال ہے۔ غلام اور نوکر ہونے کے باوجود اپنے آقاؤں کے ماتحت رہ کر بھی راہِ راست کو نہیں چھوڑا اور آخر میں ثابت بھی کر دیا کہ ان کو غلط کاموں کی طرف بلانے والے خود غلط تھے اور ان کا ہی رویہ صحیح تھا۔

بیمار بندوں کے لئے حضرت ایوب علیہ السلام ایک صابر و شاکر بندے کے طور پر ایک بڑی نظیر ہیں۔ بیماری نے ان کے جسم کے ہر خلیے کو تباہ کر دیا مگر وہ خدا کو ہی پکارتے رہے اور اسی سے رحم کی درخواست کرتے رہے۔ بالآخر اللہ نے ان کی سنی اور تندرست ہو گئے۔

دولت مند حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال نگاہ میں رکھتے ہیں کہ بادشاہت کے باوجود اللہ کی طرف ہی متوجہ رہے اور بادشاہی کی زیب و زینت اور کروفر انہیں اپنی طرف مائل نہ کر سکے۔

درویش لوگوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کی زندگی کے احوال کو سامنے رکھا۔ ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہے۔ غریبوں، ناداروں اور مزدوروں کے درمیان زندگی بسر کی اور پھر اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے سخت امتحانات سے گزرے۔ اسی لئے صوفیاء کرامؒ اور فقرائے عظامؒ ہمیشہ مسیح

Marfat.com

علیہ السلام کے گرویدہ رہے ہیں۔

پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فقر کو اپنا فخر کہا اور رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا کر کے علم کی فضیلت میں اہل جہاں سے آگے بڑھ گئے چنانچہ آپ کے پیرو اور قدم پر قدم چلنے والے فقراء وعلماء ٹھہرے۔ فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے پانچ قسم کے لوگوں کو عبادت و محبت کے لئے مختص کیا۔ غلاموں کیلئے حضرت یوسف علیہ السلام صلوٰۃ اللہ اور بیماروں کے لئے حضرت ایوب علیہ السلام نبی اللہ، دولت مندوں کیلئے حضرت سلیمان علیہ السلام خلیفۃ اللہ اور درویشوں کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ اور فقیروں اور عالموں کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔'' (۴۸)

منور لوگ:

تمام مقامات پر ہر وقت کہیں نہ کہیں منور لوگ ضرور موجود ہوتے ہیں جو اس قدر شفاف وجود رکھتے ہیں کہ عوام کی ان پر نظر نہیں پڑتی لہٰذا وہ مولویوں، پیروں اور سیاست دانوں کی طرح زیادہ معروف نہیں ہوتے۔

وہ کونوں کھدروں میں چھپے ہوئے بھی نہیں ہوتے۔ وہ صرف یہ کرتے ہیں کہ عام لوگوں کی طرح رہن سہن اختیار کر لیتے ہیں، ان کا یہ معمولی رنگ روپ ان کے لئے سلیمانی ٹوپی بن جاتا ہے اور وہ معمول کی دنیا میں عام لوگوں کی طرح غیر نمایاں ہو جاتے ہیں۔

ایسے ہی لوگ ہیں جن کو شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اصطلاح میں صحیح طور پر ملامتی کہا ہے۔ ان کے گرد دنیاوی ماحول ہوتا ہے جو سراسر ملامت ہے اور وہ اپنے تئیں اس ملامت کی دنیا سے الگ ہو کر لوگوں کی توجہ کا مرکز نہیں بنتے۔ سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ جاؤ اور کھل کر لوگوں میں میری بات کرو اور لوگوں کو اللہ اللہ کہنا سکھاؤ۔ یہ اپنے مقام پر صاحبِ ارشاد یا مرشد ہوتے ہیں۔

باقی وہ منور لوگ جو اس طرح نمایاں نہیں ہوتے اور خاموشی سے اپنا کام کئے جاتے

Marfat.com

ہیں صرف کسی جگہ اپنی موجودگی سے ہی برکات کے پھیلنے اور پھیلانے کا باعث بنتے ہیں۔ ان کے پاس بیٹھنے والے ان کے ایک اشارے پر ہی پرنور راستوں پر ہو لیتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے تاریکی کا پردہ چھٹ جاتا ہے۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رابعہ بصریؒ کچھ اللہ والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھتی تھیں۔ رات کا وقت تھا اور گھر میں اندھیرا تھا۔ ان کے پاس پیسہ ٹکہ نہ تھا کہ چراغ روشن کیا جاتا۔ سب حیران بیٹھے تھے کہ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ رابعہؒ نے اپنی انگلی پر اللہ کہہ کر پھونکا تو دونوں انگشت کے درمیان سے سورج کی طرح چراغ ظاہر ہوا۔ اس پر سب اولیاء حیران رہ گئے۔(۴۹)

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں: ’’پس معلوم شد کہ وجود فقیر فنا فی اللہ تمام تجلی است‘‘۔ (پس معلوم ہوا کہ فقیر فنا فی اللہ کا وجود تمام تجلی ہوتا ہے)

باھو سر تا پا تجلی گشت نُوری
من آں نُورم کہ نُور از من ظہوری

(باہو سر سے پاؤں تک نور کی تجلی ہو گیا۔ میں اسی نور سے ہوں کہ جس نور کا ظہور مجھ سے ہو رہا ہے)

اوپر جو واقعہ لکھا گیا ہے وہ ایک کرامت ہے اور اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں مگر اس کا تمثیلی یا علامتی مطلب لیا جائے تو صاف ظاہر ہے کہ یہ منور لوگ جب چاہیں تو ان کے ایک اشارے پر نور کی ندیاں رواں ہو جاتی ہیں۔

عام لوگوں کو تو پتہ بھی نہیں چلتا مگر وہ ان کے نور کی لہروں سے ہر وقت دوچار ہو رہے ہوتے ہیں۔ وہ جن کے سینے اور دل کھلے ہیں وہ اس نور سے ان جانے میں بھی غائبانہ طور سے برکت پا لیتے ہیں اور وہ جن کے باطن بند ہیں وہ ان کے وجود کی کرامتوں سے محروم ہی رہتے ہیں۔

Marfat.com

مردانِ کامل و اکمل:

صوفیاء کرامؒ نے مردانِ کامل کے مراتب کی ہمیشہ مثالیں دے کر نشاندہی فرمائی ہے۔ پیغمبروں اور ولیوں میں جو ہمیشہ کامل اور مکمل ہوتے ہیں نزول کے مرتبے پر ایک بات ہمیشہ عوام کو پریشان کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ ان کو اپنے جیسا ہی ایک عام آدمی سمجھنے لگتے ہیں۔ ان کی نظر اس خوبی پر نہیں جاتی کہ باطن میں وہ افکار و رفتار میں اس قدر متحرک اور سرگرم ہوتے ہیں کہ اگر وہ سو بھی رہے ہوں تو عوام کی جاگنے کی حالت سے زیادہ باشعور ہوتے ہیں۔ عوام کے لئے ہزار سالہ راہ اور ان کا نیم قدم۔ سلطان صاحبؒ نے ایک حکایت لکھی ہے اور بتایا ہے:

''حضرت سلطان ابراہیم بن ادھم فرماتے ہیں کہ ایک بزرگ نے دوسرے بزرگ کو لکھا کہ مجھے اس آدمی پر حیرت ہوتی ہے جو دن رات سویا رہتا ہے اس کا قافلہ آگے نکل گیا اور وہ سمجھتا ہے کہ میں بس اپنی منزل پر پہنچنے والا ہوں۔ دوسرے بزرگ نے جواب میں لکھا کہ اے برادر! مردانِ خدا راہِ حق میں اسی طرح چلتے ہیں کہ رات ہو یا دن، وہ رات دن سوتے ہیں اور جب قافلہ منزل و مقام کے نزدیک پہنچتا ہے تو وہ ان کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں کیوں کہ مردانِ حق کے لئے راہِ ہزار سالہ نیم قدم بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایسا گروہ ہیں صاحبِ قربِ وحدت منتہی کہ ان کے لئے خواب و بیداری، مستی و ہشیاری ایک ہے اور کھانا پینا اور بھوک ایک۔ ان کے مراتب ایسے ہیں کہ وہ ہمیشہ اس جہان کے سیرِ مشاہدہ میں رہتے ہیں اگرچہ ان کے جسم دنیا میں ہیں لیکن ان کا دل آخرت میں''۔(۵۰)

محبت و اخلاص خالصۃً لِلّٰہ:

عام لوگوں میں مشاہدے اور رائے کی غلطی یوں نظر آتی ہے کہ جہاں کسی آدمی کو مالی لحاظ سے خوشحال دیکھا فوراً رائے قائم کر لی کہ اس پر اللہ کا بڑا فضل ہے اور حق بہ حق رسید تو اس کی تعظیم کی جائے اور اسے جا بجا عزت دی جائے۔

مگر کیا یہ رائے درست ہے؟ حق تک بالآخر رسائی کیسے حاصل ہوتی ہے؟ کیا دولت،

Marfat.com

علم، ریاضت وعبادت اور ہردلعزیزی کی خصوصیات کسی کو حق تعالیٰ تک پہنچادیتی ہیں کہ ان میں سے کسی کو ایک مطلق قدر کا حق دیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ یہ سب چیزیں بجائے خود کسی کو حق تعالیٰ تک نہیں پہنچاتیں۔ یہ تو اچھی بھی ہیں اور بری بھی۔ مطلقاً صرف ایک روحانی واخلاقی قدر ہے جو ان سب کو ایک ارفع معیار کا درجہ دے سکتی ہے اور وہ ہے ان سب کی اصل اور ان سب کی بنیاد: محبت واخلاص خالصتۂ لِلّٰہ۔

اگر دنیا کی تمام نعمتوں کا استعمال خالصتۂ لِلّٰہ نہیں، اگر یہ سب محبت واخلاص کے طفیل انسان کو اللہ کے قرب کی طرف نہیں لے جاتیں تو سب غلط، سب باطل اور سب لغو!

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کسی کو اطاعت، ریاضت پارسائی سے حق حاصل ہوتا تو ابلیس کو ہوتا کیونکہ ابلیس زاہد، عابد، اطاعت گزار تھا۔ اس میں کبر اور انا پیدا ہوئی اور وہ مردود ہو گیا۔ اگر کسی علمی فضیلت سے حق حاصل ہوتا تو بلعم باعور کو ہوتا کہ اس کی مسجد میں بارہ ہزار دواتیں ہر وقت موجود رہتی تھیں اور ہر وقت قلم دنیا کے اس سرے سے لے کر اس سرے تک زیروزبر کی حقیقت لکھتے رہتے تھے۔ اگر کسی کو زر، درہم اور مال دنیا سے حق حاصل ہوتا تو قارون کو ہوتا جو خزانے سمیت تحت الثریٰ تک نیچے چلا گیا۔ اگر کسی کو خدائی کا دعویٰ کر کے حق حاصل ہوتا تو فرعون کو ہوتا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور دریائے نیل میں غرق ہو گیا۔ اگر کسی کو جہل (بزعمِ خود دانائی) سے حق حاصل ہوتا تو وہ ابوجہل کو ہوتا۔ حصولِ حق تعالیٰ محبت واخلاص میں ہے جو خالصتۂ لِلّٰہ ہو۔ جیسے اصحابِ کہف کا کتا تھا کہ محبت واخلاص نے اسے کتوں کی صف سے نکال کر آدمیوں کی صف میں لا کھڑا کیا اور قرآن میں اس کا ذکر کیا گیا۔"

جب آدمی کا اولین مقصد حق کی تلاش اور ریاضت ہے تو پھر صرف محبت واخلاص کا جذبہ ہی کام آسکتا ہے۔ ہر کام خالصتۂ اللہ کی معرفت (حق) کے حصول کے لئے کریں تو پھر یہ سب وسائل آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ (۵۱)

محبتِ حق:

صوفیاء کرام کے سیر وسلوک میں ایک مقام پر یہ کیفیت ہوتی ہے کہ

Marfat.com

عاشقان راچہ مسجد چ کنشت چہ دوزخ چہ بہشت

یا مولانا رومؒ نے فرمایا کہ وہ جسے ازل سے عاشقوں کے گروہ میں لکھ دیا گیا:

آزاد ز مسجد دست و فارغ از کنشت

ایک اور غزل میں مولانا ایک مست کا حال بیان کرتے ہیں کہ جب اس سے کہا کہ ''رفیق کن بامن، کہ مستم خویشت' (میرے ساتھ رہو کہ میں تو تمہارا ہوں۔)

گفتا کہ: ''بنشناسم من خویش زبیگانہ''

(اس نے کہا کہ میں تو اپنے اور بیگانہ کو پہچانتا ہی نہیں)

تو یہ ایک کیفیت ہوتی ہے اگر چہ مستی سے باہر آئیں تو صورتِ حال پھر جیسی کہ باہر نظر آتی ہے ویسی ہی ظاہر ہوتی ہے یعنی مسجد مسجد اور مندر مندر، اپنے اپنے ہیں اور بے گانے وہی بیگانے ہیں۔

وہ بھی درست اور یہ بھی درست!

ہر کیفیت اپنے مرتبے اور موقع کے مطابق صحیح ہے!

ساتھ یہ بھی فیصلہ دے دیا گیا کہ مرتبہ اور موقع کا لحاظ رکھو:

گر حفظِ مراتب نہ کنی زندیقی

حافظ نے کھلم کھلا کیا ہی بات کہہ دی تھی:

درمیان فقیر دریا تختہ بندم کردہ ای

بازمی گوئی کہ دامن ترمکن ہوشیار باش

(سمندر کی گہرائی میں ایک تختہ کے ساتھ مجھے باندھ دیا گیا ہے۔ پھر کہتے ہو کہ ہوشیار رہو، دامن گیلا نہ ہو)

جب جذب کا غلبہ ہوتا ہے تو صوفیاء مطلق ایک کیفیت میں غرق ہو جاتے ہیں اور سارے احتیاطی اشارے اور باتیں ان کے شعور سے اوجھل ہو جاتی ہیں۔

Marfat.com

سلطان العارفین حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت رابعہ رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ نقل کیا جو اظہارِ انداز میں اُس واقعہ سے مختلف ہے جیسے عام طور پر روایت ہوا۔ سلطان صاحبؒ یوں فرماتے ہیں:

''ایک دن حضرت رابعہ بصریؒ نے رسول خدا ﷺ کو خواب میں دیکھا۔ رسول خدا ﷺ نے پوچھا: اے رابعہ! کیا تو مجھے دوست رکھتی ہے؟ کہا، یا رسول اللہ ﷺ کون ہے جو آپ کو دوست نہیں رکھتا؟ لیکن دل حق کی محبت میں اس طرح اٹک گیا ہے کہ میں توحید فنا فی اللہ میں غرق ہوں اور میرے دل میں دوستی و دشمنی کی خبر تک نہیں رہی۔

یہ بھی کہہ دیا کہ آپ کو دوست رکھے بغیر تو ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا مگر ساتھ ہی بتا دیا کہ توحید فنا فی اللہ کی کیفیت میں جب تک ہے، سب دوسری باتیں اس کیفیت میں گم ہو گئی ہیں۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایسی کیفیت طاری ہوتی تھی کہ اس وقت تمام رشتے آپ کے دل سے محو ہو جاتے تھے۔ مطلق توحید کے سامنے سب پسند اور ناپسند اور اہل خانہ اور مقرب فرشتے سب غائب!(۵۲)

طالب المولیٰ مذکر:

بقول ڈاکٹر آنے ماری شِمل یہ تبصرہ چشتی سلسلہ کے شیخ جمال الدین ہانسویؒ سے منسوب کیا جاتا ہے:

طالب الدنیا مؤنث، طالب الآخرہ مخنث، طالب المولیٰ مذکر

ہندوستان کے صوفیاء اس قول کو اپنے موضوع کی مناسبت سے اکثر دہراتے چلے آئے ہیں۔ حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی تحریری میں عموماً اس کو اپنے نظریات کی تائید میں نقل فرمایا ہے۔

مطلب اس کا یہ ہے کہ جو دنیا کے کاموں میں ہی لگ گیا ہے وہ اگے نہ بڑھ سکا۔ جیسے عورتوں کی دنیا گھر کی چار دیواری میں محصور ہو کر رہ جاتی ہے۔ ایسے ان لوگوں کی مساعی

Marfat.com

صرف دنیاداری کے کاموں تک محدود ہو جاتی ہے۔ لہٰذا وہ کوئی بڑا کام نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ اپنے سامنے کوئی بڑا مقصد نہیں رکھتے۔ کچھ اور لوگ دنیا سے آنکھ اٹھا کر دیکھتے ہیں تو آخرت کے ثوابوں کے پیش نظر نیکی کے کام کرتے رہتے ہیں۔ گویہ دنیاداری کی حد سے نکل آتے ہیں مگر ان کے مقاصد اور کام مردانگی سے ادھر ہی رہتے ہیں لہٰذا وہ مرد ہیں نہ عورت، بس مخنث کہہ لیجئے۔

پھر ایک گروہ ہے جو صرف اللہ سے اللہ کو ہی چاہتا ہے۔ یہ صدیقین اور مقربین کا طبقہ ہے جو صرف مولیٰ کی رضا چاہتے ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت کے دائروں سے نکل کر الا اللّٰہ کے دائرے میں رہتے اور کام کرتے ہیں۔ یہ مردانِ حق کا گروہ ہے۔

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دن شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ خانقاہ سے باہر نکلے اور جا کر مخنثوں کے گھر میں بیٹھ رہے اور مخنثوں کے گروہ کے ساتھ ہی رہنے لگے۔ مریدوں نے کہا، یا حضرت یہ کیا جگہ ہے؟ شیخ شبلی نے فرمایا تمام عالم میں تین گروہ ہیں: مرد، عورت اور مخنث۔

''مرد تھے تو بایزید بسطامیؒ اور عورت تھی حضرت رابعہ بصریؒ،
میں ان دونوں کے مرتبے کا نہیں ہوں۔ بس مجبوراً اس گروہ
میں آ گیا ہوں۔''

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اپنے معیار کے پیش نظر نتیجۃً کہتے ہیں: ''پس اہل ذکر و فکر عورت کی اہلیت تک رہے'' استغراق اور مردانگی کی اہلیت والے مرد ہوئے اور دنیا بھر میں اگر کوئی ان دو میں نہیں ہے تو وہ مخنث ہے۔'' (۵۳) شاہ ہمدان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

تا بکے ہمچوں زناں ایں راہ و رسم و رنگ و بو
راہِ مرداں گیرد باصاحبدلاں ہمراز شو

(کب تک تم عورتوں کی طرح راہ و رسم اور رنگ و بو سے سروکار رکھو گے۔ مردوں کا راستہ لو اور صاحب دل لوگوں کا ہمدم و ہم راز ہو جاؤ)

Marfat.com

درویش اور دخترِ بادشاہ:

درویشوں کے رنگ ڈھنگ دیکھیں کہ ایک تو وہ ہیں جو مخلوق اور درباروں میں رہ کر بھی استغناء کے اس مقام تک پہنچے کہ بے نیاز کے ساتھ بے نیاز ہو گئے اور کئی دوسرے خانقاہوں میں رہ کر بھی استغناء اور توکل کے بلند ترین مقام کو نہ چھو سکے۔

صوفیاء کے ہاں آپ کو کئی ایسی مثالیں مل جائیں گے کہ انہوں نے توکل اور بے نیازی کے مقامات کو سمجھانے کی کوشش کی ہے۔

سلطان صاحبؒ ایک حکایت سناتے ہیں کہ ایک بادشاہ کی دختر فقیری میں اتنی بلند مرتبت ہوگئی کہ کہنے لگی کہ میں تو کسی فقیر سے ہی شادی کروں گی۔ چنانچہ ایک فقیر کے ساتھ اس کا عقد ہوا۔ جب فقیر کے گھر میں آئی تو ابھی تک اس نے جوتی نہیں اتاری تھی کہ دیکھا، ایک طرف جو کی روٹی رکھی ہے۔ اس نے درویش سے پوچھا کہ یہ جو کی روٹی کیسے رکھی ہے۔ فقیر نے کہا کہ کل رات مجھے دو روٹیاں ملی تھیں، ایک میں نے کھالی اور دوسری میں نے بچا کے رکھ لی۔ یہ سن کر شہزادی رونے لگی کہ میں تو ایک مفلس فقیر کے گھر میں آ گئی ہوں۔ اس نے کہا: ''کیسے؟''

بادشاہ کی بیٹی نے کہا، میں اس لئے روتی ہوں کہ تو درویش نہیں ہے۔ تجھ میں تو کے کے برابر بھی توکل نہیں ہے۔ تو نے روٹی کو کل کے لئے بچا کے رکھ لیا۔ میں تجھ پر حرام ہوں۔

بادشاہ کی بیٹی نے اپنے باپ کو بتایا کہ یہ درویش نہیں ہے۔ ایک لالچی آدمی ہے۔ بے توکل، زر و مال لالچ سے جمع کرتا ہے۔ (۵۴)

اب اس حکایت میں شہزادی کے فقر اور درویش کے فقر کا تقابل حقیقتِ حال کو واضح کر رہا ہے۔ شاہی محل میں پرورش کے باوجود اس کے توکل کا معیار کہیں بلند ہے جب کہ درویش بے چارے کا توکل ابھی ضرورت کی قلید سے باہر نہیں ہوا۔

دونوں فقیر ہیں مگر مرتبے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف۔ ایک بہت آگے اور ایک بہت پیچھے۔ دونوں ایک دوسرے کے نصف بہتر ثابت نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

اپنی اپنی نظر:

ماحول اور منصب کی مناسبت سے بعض شرائط مختلف ہو جاتی ہیں۔ اگر اس بات کا غلط مطلب نہ لیا جائے تو سادہ سا اصول یہ ہے کہ فقیروں کے بھی کئی رنگ ہوتے ہیں مگر ہر رنگ انفرادی طور پر کسی مخصوص فقیر کے ساتھ مخصوص ہو جاتا ہے۔ مثلاً بادشاہ اگر فقیر ہے تو اس کے لئے عدل و انصاف، رعایا کا انتظام و انصرام اور رعایا سے محبت اس کے لئے اولین شرائط ہیں۔ اس کے برعکس اگر کوئی مسکین و مفلس فقیر ہے تو اس کے لئے عبادت میں انہاک، خلق خدا سے محبت اور ان کی خدمت، قناعت اور اطمینانِ قلب ضروری شرائط ہیں۔ اسی طرح غازی فقیر، دولت مند فقیر، مزدور فقیر، زمیندار فقیر وغیرہ سب کے رنگ ڈھنگ جدا ہوں گے اور اسی طرح ان کی سوچ اور رویہ میں بھی فرق نظر آئے گا۔

یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حقائق اشیاء پر ان کی نظر پڑے گی تو اشیاء کی مراد ان کو مختلف نظر آئے گی۔ وہ ایک ہی ظاہر کی باطنی تاویل مختلف انداز میں کریں گے۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ سب اپنی جگہ پر صحیح ہوں گے البتہ کہنے والے کی سطح اور اس کے مرتبہ حقیقت ایک صاحبِ نظر پر کھل جائے گی۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بتایا گیا ہے کہ ایک روز شیخ بایزید بسطامیؒ اور ذوالنون مصریؒ امام المسلمین امام اعظمؒ کی زیارت کے لئے آئے۔ امام المسلمینؒ نے اپنے خادم سے فرمایا کہ ایک تاس کو چمکاؤ اور اسے شہد سے پر کر دو اور اس کے اوپر ایک بال رکھ کر بزرگوں کے سامنے لاؤ۔

خادم نے حکم کی تعمیل کی۔ امام صاحب نے فرمایا:

''بزرگو! تاس اور اس شہد اور اس بال کی تمثیل کا حال بیان کرو۔''

پہلے شیخ بایزیدؒ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی بہشت اس تاس سے زیادہ روشن ہے۔ بہشت کی نعمتیں اس شہد سے زیادہ شیریں ہیں اور پل صراط سے گزرنا اس بال سے زیادہ باریکی

Marfat.com

کا کام ہے۔''

بعد میں شیخ ذوالنون مصریؒ نے کہا: خدا تعالیٰ کا اسلام اس تاس سے زیادہ روشن ہے۔ اسلام کے حلقے میں رہنا اس شہد سے زیادہ شیریں ہے اور اسلام کی نگہداشت کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

اس کے بعد امام المسلمین بولے، اللہ تعالیٰ کا علم اس تاس سے زیادہ روشن ہے، علم مسائل فقہ اس شہد سے زیادہ شیریں ہیں اور علم کی باریکیاں اس ایک بال سے زیادہ باریک ہیں۔

اس کے بعد امام المسلمین کے خادم نے عرض کی کہ مہمان کے چہرے کو دیکھنا اس تاس سے زیادہ روشن ہے۔ مہمان کی خدمت کرنا شہد سے زیادہ شیریں ہے اور مہمان کے دل کی نگہداشت کرنا بال سے زیادہ باریک ہے۔

سلطان صاحبؒ فرماتے ہیں کہ کتاب نافع المسلمین کے مصنف نے کہا ہے کہ اولیاء اللہ کے چہرے دیکھنا تاس سے زیادہ روشن تر بات ہے۔ دل میں محبت خداوند تعالیٰ ہونا شہد سے زیادہ شیریں ہے اور شریعت نبوی کی نگہداشت اس بال سے زیادہ باریک ہے۔

سلطان صاحبؒ آخر میں سب اولیاء اللہؒ اور حضرت امام صاحبؒ، مصنف کتابؒ اور خادمؒ کو جواب دیتے ہیں:

> ''بر رخ اسم اللہ اس تاس سے روشن تر ہے اور مشاہدہ وحدانیت
> کی لذت شہد سے زیادہ شیریں ہے اور فنافی اللہ غرق ہونا اور
> اپنی خودی سے باہر آنا بال سے باریک تر کام ہے۔''(۵۵)

سلطان صاحبؒ نے بڑھ کر بات کی ہے جو قابل غور ہے۔ اس کو اچھی طرح سے سمجھ لیجئے!

بزرگ اقلیت:

دنیا میں ہر ایک گروہ انسانی اپنے اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ اس کام کی محرک ان کی

Marfat.com

فطری استعداد اور صلاحیت ہوتی ہے۔

قدرت خداوندی نے شروع سے لوگوں میں کسی نہ کسی کام کی قابلیت رکھ دی اور اس طرح ایک طرح کی تقسیم وجود میں آ گئی۔ معاشرے میں کام کاج کی اسی تقسیم کی بناء پر قدیم ہندو تہذیب میں ذات پات کا نظریہ برحق تسلیم کیا گیا۔

صوفیاء نے جب اپنے ہم خیال لوگوں پر نظر ڈالی تو ایسے بہت تھوڑے نظر آئے جو اللہ کو صرف اللہ کے لئے چاہتے ہوں۔

جب انہوں نے اس زاویۂ نظر سے مخلوقات انسانی کو دیکھا تو ایک کثیر حصے کو دنیاوی کاموں میں مصروف و مشغول پایا۔ ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی منشاء کے بغیر یہ صورت پیدا نہیں ہو سکتی تھیں۔ بس خدا کی مشیت یہی تھی کہ آخر دنیا کو پیدا کیا ہے تو اس کی طرف بھی دھیان دینے والے رہیں۔ مقدر یہی ٹھہرا کہ ان کو دنیا میں رہ کر ہی اپنا کردار ادا کرنا ہے اور روحانیت کی طرف بھی آئیں گے تو اسی طرف سے یوں سمجھیں کہ مخلوق کے دس حصوں میں سے نو حصے دنیا کی طرف چلے گئے۔

ایک حصہ آخرت کی طرف مائل ہوا کہ وہ حور و قصور کی طرف رغبت میں عقبیٰ کے صواب کے حصول میں کوشاں ہوئے۔ اس طرح اس ایک حصہ میں سے بھی نو حصے ادھر چلے گئے۔

رہ گیا پھر ایک حصہ تو یہ لوگ اللہ کے حضور میں استقامت سے کھڑے رہے اور اللہ سیا اللہ کی خواہش کرتے رہے۔ یہ عاشق لوگ ہیں۔

غوث قطب ہن ارے اُریرے عاشق جان اگیرے ہو

فرمایا:

جاننا چاہئے کہ پہلے روز جب اللہ تعالیٰ نے روحوں کی تمام صفوں سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو تو روحوں نے جواب دیا کہ اے خداوند ہم تجھے چاہتے ہیں اور تیرا دیدار چاہتے ہیں۔

Marfat.com

پھر اللہ تعالیٰ ان کے سامنے مقامِ دنیا پیش کی تو نو حصے دنیا کی طرف مائل ہوئے۔ باقی ایک حصہ حضور میں کھڑے رہے۔ پھر حق تعالیٰ نے آخرت، بہشتی حور و قصور پیش کیے تو پھر ارواح کے نو حصے آخرت کی طرف دوڑے اور ارواح میں سے باقی ایک حصہ حضور میں ہی کھڑے رہے اور کہنے لگے کہ ہم فقط مولیٰ کے دیدار کے مشتاق ہیں، سوائے مولیٰ کے ہمارے وجود میں کوئی اور طلب نہیں ہے۔" (۵۶)

سلطان صاحبؒ نے اس بات کو کئی انداز میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔ انسانی روح کے ارتقائی سفر میں انسان سب برابر نہیں ہوئے۔ تیغِ برہنہ میں فرمایا:

"ہزار میں سے ایک طالب ایسا ہوتا ہے جو مرشد دلدار، لائق حضور پروردگار کے موافق ہوتا ہے۔" (۵۷)

کلید التوحید خورد میں ذرا تفصیل سے اسی رمزیہ انداز میں "کُن فیکون" کی شرح بیان فرمائی ہے جو یوں شروع ہوتی ہے۔

"...... جب خدا تعالیٰ نے چاہا کہ کُن فیکون کو بیان کروں تو اس نے بائیں جانب قہر و جلال کی نظر کی جس سے نار شیطانی پیدا ہوئی اور دوسری طرف لطف و کرم و رحمت و شفقت کی نظر سے دیکھا جس سے نور محمدیؐ ظاہر ہوا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کُن فرمایا تو کل مخلوقات و موجودات کی ...... مراتب بہ مراتب جماعت بجماعت صف بہ صف پیدا ہوئیں اور رب العزت کی طرف متوجہ ہو کر کھڑی ہو گئیں......" آگے پھر وہ اپنے اپنے میلانات کے مطابق گروہوں میں بٹ گئیں۔ ان میں ایک گروہ وہ تھا جس نے کہا: "ہم تجھ سے تجھی کو چاہتے ہیں۔" اس کا دسواں حصہ ان روحوں کا تھا جنہوں نے "نہ دنیا کی آواز سنی نہ عقبےٰ کی اور نہ دنیا کی صورت دیکھی اور نہ حور و قصور جنت کی زیبائش پر ان کی نظر پڑی۔ وہ مشتاقِ دیدارِ الٰہی اور غرق فنا فی اللہ اور بقا باللہ بنی رہیں۔ (۵۸)

ان فقراء کو سلطان صاحبؒ نے "مشتاق کے روبرو" "فقیر صاحبِ استغراق" کہا ہے۔ (۵۹)

Marfat.com

اپنا اور پرایا:

اللہ کی ذات بے نیاز ہے۔ ہم اپنی اغراض کی بناء پر تعلقات کے اسیر ہیں مگر خدا کو نہ کسی سے غرض ہے اور نہ ہی وہ کسی کا محتاج ہے۔ ایک بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اور پرائے کی تمیز ضرور روا رکھتا ہے۔ تاہم اس کے ہاں اپنے اور پرائے کا معیار وہ نہیں جو ہمارے خیال میں ہے۔

اللہ نے انسانوں کو عقل اور پہچان دے کر پیدا کیا، ایک بات اپنے ذمہ لے لی کہ میں تمہیں ہدایت دیتا رہوں گا۔ جو ہدایت قبول کریں گے وہ میرے قریب آ جائیں گے اور وہ جو ہدایت سے دور رہیں گے مجھ سے دور ہو جائیں۔ چنانچہ ہدایت قبول کرنے والے اس کے اپنے ہیں اور وہ جنہوں نے ہدایت سے اعراض کیا وہ اس کی نظر میں پرائے ہیں۔

اللہ کی بارگاہ میں اس کی کوئی قدر نہیں کہ کون کس سے تعلق رکھتا ہے۔ پیغمبروں کی اولاد سے ہے یا بت پرستوں کے حلقے میں کھڑا ہے۔ اس کے ہاں قدر صرف اس بات کی ہے کہ اس کی ہدایت کو کس نے قبول کیا ہے۔ اگر کوئی ہدایت کے راستے پر آ گیا تو وہ یگانہ اور اگر کوئی منکر نکلا، تو وہ بے گانہ ہے۔

سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ابو جہل کی مثال دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبیلہ ٔ کفار سے بے گانہ کر کے اپنے ساتھ یگانہ کیا اور ابو جہل کو قبیلہ ٔ یگانہ سے بیگانہ کر کے پھینک دیا۔ (۶۰)

اللہ نے ایک کو بت خانے سے اٹھا کر ابراہیمؑ بنا دیا اور دوسرے کو کعبہ سے نکال کر جہالت کے اندھیروں میں دھکیل دیا اور وہ ہمیشہ کے لئے جہالت کی علامت بن گیا۔

راہ معرفت دو نیم قدم:

''اللہ کی معرفت کی راہ بہت کٹھن ہے!''

''آزمائشیں ہی آزمائشیں، امتحان ہی امتحان!''

Marfat.com

''ہزاروں لاکھوں میں سے کوئی ایک معرفت میں تکمیل پاتا ہے''

''اور کبھی کبھی

طے شوُد جادہٗ صد سالہ باہے گاہے''

یہ سب درست ہے مگر ایک طالب کو اگر دو وسائل میسر آجائیں تو معرفت سے آسان کوئی یافت نہیں ہے۔

ان میں سے ایک تو ذاتی اور داخلی وسیلہ ہے اور وہ ہے بندۂ حق کا عزمِ صمیم...... آدمی نیت کر کے پختہ ارادہ کرے اور یہ طے کرے کہ وہ اب معرفت پا کے ہی دم لے گا تو وہ بالآخر کامیاب ہو جاتا ہے۔

اور دوسرا ہے خارجی وسیلہ: مرشد کی رہبری۔ مرشد اس راہ میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ وہ اپنی توجہ، دعا اور حکمت سب کو کام میں لاتے ہوئے مرید کو معرفت پانے کے طریقوں سے نہ صرف آگاہ کرتا ہے بلکہ اس پر چلتے چلاتے ہوئے مرید کے ہمراہ ہو لیتا ہے اور پھر عمر بھر اس عہد کو نبھاتا چلا جاتا ہے۔

جب ایسا ہو جائے تو پھر پہلے تو مرشد مرید کو تزکیۂ نفس کا حکم دیتا ہے اور ہوا و ہوس سے دور رہنے کی تلقین کرتا ہے۔

اگر مرشد کامل ہے اور طالب اپنی نیت اور عہد میں صادق ہے تو یہ بات کچھ مشکل نہیں ہوتی جب آدمی زندگی کے تمام طور و طریق بدلنے کا عہد کر ہی لیتا ہے تو پھر صرف اسی قدر ہی اسے کرنا ہوتا ہے کہ پہلے راستے سے ہٹ کر دوسرے راستے پر ہو لے اور اس راستے کی اونچ نیچ کو سامنے رکھتے ہوئے آگے بڑھتا جائے۔

یہ عمل بھی اس صورت میں ہی مکمل ہو سکتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو ہر آن سامنے رکھے۔ ہر وقت اس کے دل میں یہی خیال رکھے کہ جیسے رسول اللہ ﷺ نے کیا تھا، وہ بھی وہی کرے۔ اس کے لئے یہی حضوری ہے۔

Marfat.com

ایک حضوری تو یہ ہے کہ طالب ہر وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیداری کے ایک حال میں دیکھتا رہے اور ان کی مجلس میں اصحاب کی طرح رسائی پالے۔ یہ حضوری لاکھوں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ شاید وقت کے کسی دور میں کوئی ایک دو ہی ایسے افراد ہوں۔

پھر حضوری یہ بھی ہے کہ کشف میں وقتاً فوقتاً حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھے اور آپ سے ہدایت حاصل کرے۔

ایک عام اور یقینی حضوری یہ ہے کہ بندہ کسی لمحے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیال سے غافل نہ رہے اور ہمیشہ آپ کی صداقت پر کاربند رہے۔ ابتدائی درجے پر فنافی الرسول کے مقام تک پہنچنے کے لئے ایک منزل یہ بھی ہے۔

جب یہ حاصل ہو جائے تو پھر اللہ کی محبت طالب کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے اور فنا فی اللہ اور بقا باللہ اور استغراق کے احوال و مقامات خود ہی حاصل ہو جاتے ہیں۔

سلطان صاحبؒ نے اس ساری کارکردگی کے لئے اڑھائی قدم کا محاورہ استعمال فرمایا ہے:

ایک قدم میں ہوا و ہوس سے نجات،
دوسرے قدم میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کا تصور،
اور اگلے آدھے قدم میں فنا و بقا باللہ اور استغراق۔

فرماتے ہیں:

''جان لے کہ راہِ معرفت مولیٰ صرف اڑھائی قدم ہے، بے ریاضت و بے غم۔
دوسرے قدم میں وہ مجلسِ حضوری محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ جاتا ہے۔
اور آدھے قدم میں 'فنا فی اللہ بقا باللہ غرق میشود بخدا'

Marfat.com

جو مرشد طالب اللہ کو یہ اڑھائی قدم میں ہی ابتداء سے انتہاء تک نہیں پہنچاتا ہے۔ اس مرشد سے عورت بہتر ہے بلکہ پھر مرشد ایک زنخے سے بھی کم تر ہے۔" (٦١)

فنائیت: تصدیق عشق وعرفان:

مولانا رومؒ نے فرمایا:

دعویٰ عشق آسان است لیکن اورا دلیل و برہان است

(عشق کا زبانی کلامی دعویٰ کرنا آسان ہے لیکن اس کے لئے کوئی دلیل اور برہان بھی چاہیئے)

حضرت سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ بتاتے ہیں کہ "در معرفت مولیٰ صادق آنست کسے را کہ بشان ایں نشان داوذ"۔ (معرفت مولیٰ میں صادق وہ ہے کہ اپنی کیفیت میں وہ یہ نشانیاں رکھتا ہو) آگے ایک مثال ہے کہ آسانے "صدق" کی بھی وضاحت کر دی ہے۔ "صدق معنی یقین است" (٦٢) (صدق کے معنی ہیں یقین)

طالب صادق کے رویے کے ہر حال سے پتہ چلتا ہے کہ یہ آدمی معرفت رکھتا ہے یا نہیں اور اگر اللہ نے اس کو معرفت سے نوازا ہے تو وہ معرفت کے کس درجے پر ہے۔ کوئی اہل نظر ولی ایک عارف کی زندگی کے کسی ہنگام وحرکت اور فعل وعمل سے جان لے گا کہ عشق وعرفان کی کن منزلوں سے ایک طالب حق گزر رہا ہے۔

سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے کہ "حضرت رابعہ کی مجلس میں کچھ اولیاء اللہ باہم گفتگو کر رہے تھے۔ صدق کی بات ہوئی تو اولیاء اللہ میں سے ایک نے کہا کہ وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جو مولیٰ کی مار پر اللہ کا شکر ادا نہیں کرتا۔ ایک دوسرے ولی نے صدق کے بارے میں کہا: "وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جو اپنے مولیٰ کی مار پر صبر نہیں کرتا۔" تیسرے ولی نے کہا، "وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جو اپنے مولیٰ کی مار پر لذت محسوس نہیں کرتا۔" اس پر حضرت رابعہؒ نے فرمایا: "اس قسم کا صدق تو بچوں کا کھیل ہے۔ یہ تو

Marfat.com

جدائی اور مجازی کی بات ہوئی۔'' اور پھر یوں تبصرہ کیا کہ وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جو اپنے مولیٰ کی مار پر اس کی ربوبیت کو نہیں دیکھتا۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ رابعہؒ کا فقر میں ایک مقام مانتے ہیں مگر ان سے آگے بڑھ کر خود فرماتے ہیں کہ دراصل وہ شخص اپنے دعوے میں صادق نہیں جو اپنے مولیٰ کی مار پر فنافی التصدیق نہیں ہو جاتا۔'' (۶۳)

یعنی معرفت کا اونچا مقام یہ ہے کہ عارف کو اگر کوئی تکلیف پہنچے تو وہ فنا فی اللہ کے مقام پر فنائیت کے کسی نہ کسی نئے حال سے گزرے جو اس کی فنائیت پر دلیل اور برہان ہو۔

سلطان صاحبؒ اکثر بزرگوں کے اقوال دہرا کر آگے اس حقیقت کی کسی نہ کسی نئی جہت کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ یہاں بھی اسی طرح انہوں نے فنائیت کی گہرائی میں ایک نئی کیفیت کے تجربے کا ذکر فرمایا ہے۔

خام بُدَم، پُختہ شُدَم: (میں خام حالت میں تھا، پھر پختگی کو پہنچا)

انسان اپنے روحانی و اخلاقی کردار کی تشکیل کے سلسلہ میں کئی مراحل سے گزرتا ہے۔ اس میں ظاہری و باطنی عوامل مکمل طور پر کارفرما ہوتے ہیں بلکہ ان میں بعض نفسیاتی محرکات کو تو الگ طور پر متمیز بھی کیا جا سکتا ہے۔

ترتیب کچھ یوں متصور کی جا سکتی ہے کہ انسان جب اپنے بالغ شعور کے ساتھ اردگرد کے حقائق کو سمجھنے کی اہلیت پا لیتا ہے تو معاً عقیدے اور عقیدت کے ساتھ اسے سابقہ پڑتا ہے۔ عام طور پر وہ عملی مصالح کے پیش نظر یا اپنی فطری احتیاج کی بناء پر عقیدے کو تسلیم کر لیتا ہے مگر عقیدت کے معاملہ میں اس کی ''انا'' آڑے آتی ہے۔ چونکہ عقیدت اطاعت یا نیاز مندی کا تقاضا کرتی ہے اس لئے وہ ''غیرت'' محسوس کرتا ہے۔ اس کی ''انا'' کسی اور کو بڑا تسلیم کرنے یا کسی کو روکنے ٹوکنے کا اختیار دینے سے منکر نظر آتی ہے۔

یہاں خام اور تخریب کار شعور (نفس) ابھرتا ہے اور اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے

Marfat.com

اس کے ساتھ اس کی مخصوص برائیاں ''حرص اور طمع'' بھی ظاہر ہوتی ہیں چنانچہ حرص اور طمع کی بناء پر وہ اپنی ''بہشت'' (قلب اور روح کا چین) کھو بیٹھتا ہے۔

نفس کی اس خودرو ناتراشیدہ صورت کے بارے میں مولانا رومؒ نے اشارۃً فرمایا تھا: ''خام بُدَم'' یعنی اول میں کچے پن کی ابتدائی کیفیت میں تھا۔ نفس کی اس خام حالت کو ''امارہ'' کہا گیا ہے یعنی برائی کا حکم دینے والی نفسی جبلت۔

''امارہ'' دراصل انسان کا اپنا شعور ہوتا ہے جس کی کوئی سمت متعین نہیں ہوتی۔ اور ظاہر ہے بے سمت ہونا برائی اور گمراہی ہے۔ یہ شعور خود کار، خود غرض اور خود پرست ''انا'' کے ساتھ مل کر انسان کی ذات کو زیروزبر رکھنا چاہتا ہے۔ اس بربادی سے بچنے کے لئے اللہ نے اس کی ہدایت کے لئے شریعت کا ضابطہ رکھا ہوا ہے۔ شرعی اوامر ونواہی نفس امارہ کو راہ راست پر رکھنے کے لئے بلکہ اس کو بہتر و برتر سطح پر متمکن کرنے کے لئے ہوتے ہیں مگر ان کی عملداری بھی اپنے وقت پر شروع ہوتی ہے۔

نفس امارہ کے میلانات کو جو چیز سب سے پہلے راہ ہدایت سے باز رکھتی ہے وہ ''وسوسہ'' ہے مثلاً عقیدے اور عقیدت کے بارے میں وسوسہ۔ دل و دماغ میں یہ وسوسہ ایسے سوال اٹھاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے اور اس کی کیا ضرورت ہے؟ وہ کیوں بڑا ہے اور کیسے بڑا ہوسکتا ہے؟ وغیرہ وغیرہ

ایک سے ایک آگے وسوسہ بڑھتا ہے اور پھر انہی وساوس سے انسان ٹھوکر کھاتا ہے۔ وسوسہ کی ایک کیفیت دل و دماغ میں اتنی قوی ہو جاتی ہے کہ انسانی انا اس کے زیر اثر کسی ضابطے کی پابند نہیں رہتی۔ تب یہ وسوسہ باطن میں خود برائی کا ایک نفسیاتی دستور بن جاتا ہے جس سے نفس امارہ مکمل اختیار حاصل کر لیتا ہے۔

علم (ذاتی تجربات و مشاہدات کا علم) اور شریعت (احکام وحی، اوامر ونواہی) دونوں اس کی ہدایت کے لئے اس سے پہلے تو مکالمہ کرتے ہیں۔ نفس امارہ اپنے گمراہ اور گمراہ کن شعور

Marfat.com

کے ساتھ علم کو جھٹلاتا ہے۔تب نفس کی خواہشیں بے لگام ہو جاتی ہیں اور اس کے لئے ہر طرح کے حیلے بہانے کے علاوہ اس کو جواز بھی مہیا کرتے ہیں۔

یاد رہے کہ یہ سب بحث انسانی سرشت کی خام کیفیت کے بارے میں ہے۔ جب ابھی عقل جو برائی سے روکنے والا سب سے بڑا ملکہ ہے، نفس امارہ کو روک نہیں سکتا لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ بچوں کو بعض اوقات ایسے ہی رکھا جاتا ہے۔ مگر جب وہ بڑے ہوتے ہیں تو پھر ان کے نفس امارہ کو روکا جاتا ہے اور نیک راہ پر لانے اور چلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ چنانچہ یہ سب کچھ کردار کی تشکیل اور ترقی کے لئے فطرت کے عین مطابق ہو رہا ہوتا ہے۔

اسی لئے بلوغت کے قریب انسان پر شریعت کے احکام لاگو ہو جاتے ہیں۔ موجودہ نفسیات میں اس کو adolescent age (آغاز شباب) کہتے ہیں۔ جب لڑکا نفس امارہ کے اس مقام پر اپنی خواہشات کی تسکین کے لئے اپنے طور پر جواز بھی فراہم کرتا ہے اور اپنی من مانی کرنے کے لئے ضبط و انقیاد کے قوانین و اصول کے خلاف احتجاج یا بغاوت بھی کرتا ہے۔

چنانچہ عقل کو اختیار ملتا ہے تو علم اس کا مؤید ہو جاتا ہے اور خود نفس امارہ پر اپنا آپ ملزم ہونا ظاہر ہو جاتا ہے۔

پھر عقل گویا ذاتِ انسانی میں بادشاہ ہوتی ہے۔ نفس اس کا مطیع ہو جاتا ہے اور دیگر قوئی اس کے ارکانِ دولت و سلطنت ہو کر ظاہر و باطن میں انتظام سنبھال لیتے ہیں۔

عقل پختہ کار اب انسانی کردار نفس کو ''امارہ'' کی سطح سے بلند کر دیتی ہے اور پھر ''مدینۃ القلب'' (شہرِ دل) کی صفائی اور پاکیزگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔

ار[illegible] ڈسپلن یا ریاضت اور عبادت انسانی کردار کو رفعت اور بلندی پر لے جانے کے لئے معاون ہو[illegible] تے ہیں۔ ان کے اس تعاون کے بغیر کوئی بات نہیں بنتی۔

نفس[illegible] اپنی اطاعت قبول کرنے کے باوجود کچھ نہ کچھ خرد برد، توڑ پھوڑ اور جوڑ توڑ میں لگا ہی رہتا ہے۔ ذات کے اندر پھر یکا یک ایک سازش ہوتی ہے اور نفس شیطان کے ساتھ خفیہ

Marfat.com

طور پرمل کر فتنے جگا تا رہتا ہے۔

یہ دونوں از سرِنو ''حرص'' کو اکساتے ہیں جس کا ''قناعت'' سے دفاع کیا جاتا ہے۔ غصہ وغضب سے کام لینا چاہتے ہیں تو انسان اپنا ہی نقصان کر بیٹھتا ہے۔ جسے ''حِلم'' آ کر دور کرتا ہے۔

آخر کار علم اور شریعت کی مدد سے انسان اپنا مقام پالیتا ہے۔نفس بھی مطیع ہو جاتا ہے اور شیطان بھی مسلمان ہو جاتا ہے۔ دونوں ایک لحاظ سے انسانی کردار کے ارتقاء میں مددگار ہوتے ہیں بلکہ نفس تو انجام کار ''نفسِ مطمئنہ'' بن جاتا ہے۔

اب عقل ایک رعیت پرور حاکم کی طرح ذات کی تزئین کرتا ہے۔اسے خس وخاشاک سے پاک کرتا ہے اور نئی نئی عمارات تعمیر کرتا ہے جو ''قیام قیادت تک یادگار رہیں''۔

شاہِ عقل جب ''مدینۃ القلب'' کو سنوار لیتا ہے تو پھر عقل کے لئے خود اپنا باطنی ارتقاء ضروری ہو جاتا ہے۔اب وہ عشق اور حسنِ مطلق کی عظمت اور جلال سے آشنا ہوتا ہے۔تب عقل پر بات کھلتی ہے کہ اب آگے جاں بازی وجاں سپاری ہے اور ''ابحارِ استغراق''۔

جب تک عقل اپنے تئیں بے خبر نہیں کر لیتی، اگلے مقامات کی خبر نہیں پا سکتی...... یہ روحانی ارتقاء کا آخری مقام ہے۔

سلطان العارفین سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سب حقائق ایک تمثیل کے ذریعے بیان کئے ہیں۔ اگر چہ شروع میں نام آدم علیہ السلام کا ہے مگر مراد ابنِ آدم (انسان) ہے۔آدمؑ اور ابنِ آدم سرشت میں ایک ہیں۔

سلطان صاحبؒ بیان فرماتے ہیں: ''جب حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت آدم صلوات اللہ کو پیدا کیا اور روحِ اعظم اللہ تعالیٰ کے حکم سے آدم علیہ السلام کے وجود میں آئی اور حضرت آدم علیہ السلام پر عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ کا علم واضح ہو گیا تو ان کی نظر عرش پر پڑی وہاں انہوں نے کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا اور اسے پڑھا۔حضرت آدم علیہ السلام کو

Marfat.com

تعجب ہوا اور کہنے لگے کہ اللہ کے نام کے ساتھ دوسرا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کس کا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ اے آدم! یہ تیرے بیٹوں میں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ قیامت کے دن یہ تیرے شفیع ہوں گے۔ آدم علیہ السلام نے کہا، 'بیٹا کس طرح باپ کا شفیع ہوگا؟' ان کی اس غیرت سے آدم کے وجود میں نفس پیدا ہوا اور نفس سے حرص وطمع ظاہر ہوئیں جس کی وجہ سے حضرت آدم علیہ السلام دانۂ گندم کھا بیٹھے اور بہشت سے باہر نکال دیئے گئے......اسی غیرت کی بناء پر ان کی زبان فصیح البیان پر یہ کلمات جاری ہوگئے: 'وہ کون ہے جس کا نام تیرے نام سے متصل ہے؟' حکم ہوا: 'میرے انبیاء میں سے ایک نبی ہے اور تیری اولاد میں سے ایک بیٹا جو آپ کی خطا کے لئے شفیع ہوگا' آدم علیہ السلام کے دل میں وسوسہ نے راہ پا لی کہ شفاعت تو باپ کو بیٹے کی کرنی چاہئے نہ کہ اس کے برعکس۔ اسی وقت بارگاہ رب العزت سے حکم ہوا کہ اے جبریل! جا اور آدم علیہ السلام کے سینے کے اندر پیدا ہونے والے وسوسے کے دو ٹکڑے کر دے۔ ناموسِ اکبر اور طاؤسِ انور بارگاہِ جلال سے اترے اور آدم کے سینے سے وسوسے کو دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک ٹکڑے کو لا کر جنت میں دفن کر دیا جس سے گندم کا پودا اُگا اور اس سے آدم کو خفت اٹھانی پڑی اور اسی ٹکڑے سے دیگر مخلوق پیدا ہوئی اور دوسرا ٹکڑا جو آدم علیہ السلام کے سینے میں بچ رہا تھا اس سے نفس امارہ وجود میں آیا۔

"علم نے کہا: اے غدار، جب تیری پیدائش ہی اس وسوسہ سے ہوئی تو اتنا نڈر کیسے ہو گیا؟ میں ایک صفت ہوں جو ذرہ بھر بھی مجھ سے متحقق ہوا، وہ حیاتِ ابدی و دولتِ سرمدی پا گیا۔
نفس بولا: اے علم، اگر تیری تحقیق حیاتِ ابدی کا موجب ہوتی تو ہر عالمِ حیاتِ ابدی سے سرفراز ہوتا۔ لیکن تو خوب جانتا ہے کہ ابلیس اہلِ علم تھا، کیا اسے علم سے لعنتِ ابدی نصیب نہیں ہوئی۔ علم نے کہا: اے مکار، وہ تیری ہی مصاحبت سے اس حال کو پہنچا ورنہ تو وہ ملائکہ کا پیشوا تھا۔ پس یہ تیری ہی وکالت و وزارت ہے جو ملک کی بربادی کا باعث بنتی ہے...... (نفس امارہ بے لگام ہو گیا) تو اس وقت علم شریعت کا گھوڑا امیدانِ مجادلہ میں لے آیا اور حجتِ قاطع اور برہانِ لامعہ سے

Marfat.com

ثابت کیا کہ وکالت و وزارت پر اصلی حق ہمارا ہے لیکن مجبوری کے تحت توقف واقع ہوا ہے کہ اگر ہم شاہِ عقل کو کم عمری میں ہی رعیت پروری اور عدل گستری پر مجبور کرتے تو یہ تکلیف ان کی طاقت سے باہر ہوتی۔ (نفس نے اپنے دلائل میں اپنے فطری میلانات کا جواز پیش کیا اور اپنی بادشاہی کی دلیل میں کہا کہ سب کچھ اسی کے لئے ہے، وہ جو چاہے کرے) جب مباحثہ یہاں تک پہنچا تو نفس امارہ اور اس کے ساتھی ملزم قرار پائے۔.......... بادشاہ عقل نے اس کی معزولی کا حکم دے متعلقانِ بارگاہِ جلالت میں سے تامل و انصاف کو نفس امارہ کے معاملات کی تفتیش پر مامور کر دیا تا کہ تمام رعایا کو اس کے احوال و واقعات اور کارگزاری سے آگاہ کر دیا جائے..........

''بادشاہِ جہاں پناہ کے اس حکم کی تعمیل میں تامل و انصاف مملکتِ مدینۃ القلب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں موجود حواسِ ظاہری یعنی باصرہ و سامعہ و ذائقہ و شامہ و لامسہ اور حواس باطن یعنی قوتِ متفکرہ و مذکرہ و حافظہ و مخیلہ اور حسِ ہاضمہ و واقعہ و مولدہ و متصورہ کو طلب کر کے ان سے اعمالِ نفسِ امارہ کے بارے میں استفسار کیا تو ان سب نے نفسِ امارہ اور اس کے ساتھیوں کے ظلم و تعدی اور بددیانتی و خیانت کی گواہی دی......

''علم و شریعت نے حکمت و دانائی سے کام لیتے ہوئے بادشاہ کی خدمت میں عرض کی کہ عرصۂ دراز سے نفس امارہ اور اس کے ساتھی حکومت کے مالک و مختار چلے آرہے ہیں...... اس لئے ان کا قلع قمع کرتے وقت تدبیر اور حیل و حجت سے کام لیا جائے تا کہ ان کے فساد کی بنیاد ہی ختم ہو جائے...... بادشاہ نے فرمایا کہ وکالت و وزارت اب تمہارے حوالے ہے اس لئے ہر وہ عمل بروئے کار لایا جائے جو اصلاحِ مملکت کے لئے سودمند ثابت ہو......

''حبِ نفس نے یہ احوال دیکھے تو اپنے قدیمی مربی شیطان مردود سے مدد و پناہ کی درخواست کی کہ اب میرے پاس تمہارے سوا اور کوئی جائے پناہ نہیں کوئی تدبیر کر اور میری رہنمائی کرتا کہ آبِ رفتہ نہر میں واپس آجائے اور میرا اٹکا ہوا کاروبار دوبارہ چل پڑے...... نفس نے علم و شریعت سے جنگ کرنے کے لئے لشکر جمع کیا اور ایک بار پھر مقابلے پر خود آ گیا۔ پہلے روز حرص

Marfat.com

اپنی دلیری کا گھوڑا میدان شجاعت میں لایا اور دعوتِ مبارزت دی۔ دوسری طرف قناعت نے پیش قدمی کی اور ان دونوں کی لڑائی شروع ہوگئی۔ جنگ و جدل اور مناقشہ و مقابلہ کے بعد نسیمِ قناعت چلی جس نے حرص کا چہرہ خاک آلود کر کے اس کو ہلاک کر دیا۔ دوسرے دن غضب اپنا تند خیز گھوڑا میدانِ جسارت میں لے آیا جسے دیکھ کر علم و شریعت کے لشکر میں بے حد خوف و وہم پیدا ہوا اور اس کے مقابلے میں کسی نے اقدام نہ بڑھایا۔ آخر حلم نے اجازت چاہی اور میدانِ دلاوری میں آیا اور عجب تماشا یہ ہوا کہ اس کے مقابلے میں جو بھی وار کرتا وہ اپنا ہی کوئی عضو مجروح کر بیٹھتا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کا کوئی عضو سلامت نہ رہا اور وہ بے خود ہو کر گر پڑا اور دل میں حسرت لئے جاں سے گزر گیا۔ اس کے مقابلے میں حلم کامیاب و کامران لوٹا۔

''اس طرح ہر روز دونوں جانب سے مبارز میدان جنگ میں آتے رہے، مقابلہ ہوتا رہا، علم و شریعت کے لشکر غالب آتے رہے اور جنسِ نفس و شیطان مغلوب ہوتی گئی۔

''ایک مدتِ مزید اسی حالت میں گزر گئی۔ ایک روز نفس نے لشکر آراستہ کیا اور میدان میں اتر آیا۔ علم و شریعت کا لشکر بھی موجود تھا۔ اس نے بھی قدم بڑھائے اور مقابلہ شروع ہو گیا۔ ایک بہت بڑے قتال و جدال کے بعد نفس نے ہزیمت اٹھائی اور شریعت کی قید میں آ گیا۔ اسے گرفتار کر کے شاہِ عقل کے سامنے لایا گیا۔ شاہِ عقل نے حکم دیا کہ اگر یہ کفر و تمرد ترک کر دے اور قلبِ صمیم کے ساتھ مسلمان ہو جائے تو اس کی جاں بخشی کر دوں گا.......... نفس نے توبہ استغفار کی، زبان سے کلمۂ شہادت پڑھا، کانوں میں اطاعت کے بندے ڈال لئے۔ جب یہ خبر شاہِ عقل تک پہنچی تو اس نے نفس امارہ کو نفس مطمئنہ کے خطاب سے سرفراز فرمایا۔

اس کے بعد شاہِ عقل بے شرکتِ اغیار و بے کدورت جفا کار مدینۃ القلب کے تخت پر متمکن ہوا اور معاملاتِ سلطنت میں عدل گستری و رعیت پروری شروع کر دی۔

''ایک روز راہِ سلوک میں چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا کہ ابھی تک راہِ خداوندی کی گزرگاہوں پر نامشروع خار و خس پائے جاتے ہیں۔ اسی وقت حکم دیا کہ تمام راستوں پر نفی کی

Marfat.com

جھاڑو پھیری جائے اور مشروع خار و خس کو اٹھا کر آتش قہر میں جلا دیا جائے تا کہ روئے ہدایت واضح ہو جائے۔

''علم و شریعت کو طلب کر کے فرمایا کہ معمارانِ ہدایت کو حکم دیا جائے کہ بعض عمارتیں جو نفس اور اس کے شکست خوردہ لشکر کی غارت گری سے بالکل ویران اور تباہ ہو گئی ہیں انہیں دوبارہ تعمیر کریں اور ان کی طرح ترتیب نئے سرے سے وضع کریں مملکت کے پودے کی پرورش احسان کے پانی سے کریں اور اسی پانی کے چھڑکاؤ سے ظلم کے گرد و غبار بٹھائیں۔ رعایا کو تسلی اور اہلِ دل کو تجلی سے نوازیں اور ایسی عمارتیں تعمیر کریں جو قیامِ قیامت تک یادگار رہیں..........

''تھوڑی سی مدت مید مدینۃ القلب کی رونقیں بحال ہو گئیں اور اس میں امن و امان رواج پا گیا۔

''جب مدینۃ القلب میں شاہِ عقل کی سلطنت مضبوط بنیادوں پر قائم ہو گئی اور مملکت میں دشمن کا کوئی خدشہ نہ رہا تو ایک روز جب وہ صحرائے صحت البدن میں شکار کر رہا تھا تو اسے الجھے بالوں والا پریشان صورت آدمی دور سے آتا دکھائی دیا۔ شہنشاہِ عقل کو اس کی ہمت پر تعجب ہوا اور اس کی جانب گھوڑا دوڑا دیا۔ قریب جا کر پوچھا کہ اے درویش! مسافر دکھائی دیتے ہو، کہاں سے آئے ہو اور کیا نام ہے؟ وہ بولا، میرا نام طلب ہے اور میں ملک الٰہی کی طرف سے آرہا ہوں۔ بادشاہ نے فرمایا کے مجھے اس ملک کے اطراف و اکناف کی حقیقت و کیفیت سے آگاہ کرو۔ طلب نے زبان فصیح و عبارتِ ملیح سے تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اس مملکت میں ایک شہر ہے جسے لامکاں کہتے ہیں۔ وہاں کے بادشاہ کا نام حسنِ مطلق ہے۔ اس کے انتہائی جمال کی بدولت کسی میں طاقت نہیں کہ اس کے روبرو ہو سکے۔ اس لئے وہ ہمیشہ عظمت و جلال کے پردوں میں مستور رہتا ہے۔ اس شہر کے عجائب و غرائب کو تقریر کا کوئی اسلوب بیان کر سکتا ہے نہ تحریر کی کوئی صنف اس کے اسرار کی چہرہ کشائی کر سکتی ہے۔ شاہِ عقل نے پوچھا کہ اس کے دیدار کی کوئی صورت میسر آ سکتی ہے یا اس کے مشاہدے کا کوئی ذریعہ حاصل کیا جا سکتا ہے؟ اس نے کہا کہ

Marfat.com

وسیلۂ عشق کے بغیر یہ ممکن نہیں جو اس کی بارگاہ کا حجاب ہے۔ پوچھا، عشق سے ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا، بے حد دشوار ہے۔ جب تک تو خود کو فنا نہیں کرتا، اس راہ میں جان کی بازی نہیں لگاتا اور خود کو درمیان سے ہٹا نہیں لیتا، اس سے ملاقات کا شرف نہیں پا سکتا جیسے ایک بزرگ گھوڑے پر سوار گھر سے نکلے اور گھوڑے کو پانی میں چلانا چاہا لیکن گھوڑا پانی میں قدم نہیں رکھتا تھا۔ شیخ نے کہا کہ اس کی آنکھوں پر پٹی باندھ دو۔ اس پر گھوڑا پانی سے گزر گیا۔ شیخ نے کہا، جب تک یہ خود کو دیکھتا تھا، تو پانی سے نہیں گزرتا تھا......

''اس راہ میں سات عمیق دریا سامنے آتے ہیں جن کی طلاطم خیزی روح کا بیڑا غرق کر دیتی ہے۔ لہٰذا مصلحت اس میں ہے کہ تو بار بار گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر لشکر ریاضت کو خطراتِ عُجب کے مقابلے میں بھیجتا رہے کہ لشکر ریاضت کے مقابلے میں خطرات عُجب ہی اسے شکست دینے کے لئے آتے رہیں گے۔'' (۶۴)

بدترین مرتبہ:

وہ لوگ جو سیر و سلوک کے درجات طے کر رہے ہوں یا وہ جو ولایت کے مراتب میں تمیز کرنے کا ذوق رکھتے ہوں ان کے لئے ایک مشکل یہ ہوتی ہے کہ ہر مرتبے کی ولادیت کی خصوصیات اس قدر اعلیٰ اور عظیم نظر آتی ہیں کہ وہ ان کی درجہ بندی میں اپنے تئیں عاجز پاتا ہے مثلاً ایک غالب رجحان بعض حضرات میں اس طرف نظر آتا ہے کہ وہ اہل خدمات جنہیں ہم ابدال کہتے ہیں اپنے منصب اور فرض کے لحاظ سے کچھ مافوق الفطرت طاقتوں کے حامل ہوتے ہیں بعض لوگ ان کو ان قوتوں کا حامل ہونے کی وجہ سے اولیاء اللہ میں ان کا سب سے اونچا مرتبہ سمجھ لیتے ہیں جب کہ صوفیاء کے علم میں ان کا مرتبہ ہے ضرور مگر بلند ترین نہیں۔

یہ بھی کوئی غالب ولی اللہ اور صاحب نظر فقیر کامل ہوتا ہے جو بتاتا ہے کہ حقیقت میں یہ سب درجات ولایت کے درجات ہی ہیں مگر بلند ترین مرتبہ اور ہے۔ حضرت سلطان العارفینؒ اس سوال پر کہ کون بہتر ہے، بہترین ہے یوں روشنی ڈالتے ہیں:

Marfat.com

''اگر کوئی شخص ہمیشہ اللہ کے نبی خضر علیہ السلام کا ہم صحبت رہے تو اس سے بہتر اور کیا چیز ہے؟

''اگر کوئی شخص بارش برستے وقت بارش کے پانی کا ہر قطرہ فرشتوں کو ہاتھ کی ہتھیلی سے زمین پر رکھتے ہوئے دیکھے اور ہر فرشتے کا نام جانے اور توجہ باطنی سے اسے پہچانے تو اس سے بہتر اور کیا چیز ہے؟

''اگر کوئی شخص آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین ﷺ تک اور خاتم النبیین ﷺ سے روزِ قیامت تک جملہ انبیاء و اولیاء اللہ صاحب مراتب مومنوں مسلمانوں کی ارواح سے ملاقات ومجلس ومصافحہ کرے اور تمام ارواح کے نام جانے اور ہر ایک کو پہچانے تو اس سے بہتر اور کیا چیز ہے؟

اگر روئے زمین پر موجود تمام اہل ورد وظائف تمام اہلِ علم دعوتِ قبور اور تمام حفاظ قرآن دن رات طہارت کے ساتھ تلاوت قرآن کیا کریں تو اس سے بہتر اور کیا چیز ہے؟

''اگر کوئی شخص ذکر فکر محاسبہ اور مکاشفہ کرتا رہے اور سب خلقت سے اخلاق سے پیش آئے تو اس سے بہتر کیا چیز ہے؟

''اگر کوئی شخص عمر بھر طواف خانہ کعبہ کرتا رہے اور اس سے کوئی حج نہ چھوٹے اور زکوٰۃ دینے میں اس سے کوئی کوتاہی نہ ہو اور نوافل پڑھنے سے کبھی فارغ نہ ہو، ہمیشہ قائم اللیل وصائم الدھر رہے، ہمیشہ صاحب تقویٰ وصاحب ریاضت رہے اور مسائل فقہ وتفسیر قرآن پڑھتا رہے تو اس سے بہتر اور کیا چیز ہے؟

''اگر کوئی شخص تمام عمر فی سبیل اللہ جنگ کرے اور دار حرب کے کفار کو قتل کرے تو اس سے بہتر کیا چیز ہے؟

''اگر کوئی شخص تمام دولت رکھتا ہو، رات دن اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرے۔ مسلمانوں کو نفع پہنچائے سے تو اس بہتر کیا چیز ہے؟

Marfat.com

''اگر کوئی بادشاہ ظل اللہ ہو کر مشرق سے مغرب تک لوگوں کو عدل و انصاف بہم پہنچائے تو اس سے کیا چیز بہتر ہے؟

''اگر کوئی مقام ابد اور دونوں جہاں کے احوالات اپنے ناخن کی پشت اور ہاتھ کی ہتھیلی پر دیکھے تو اس سے کیا چیز بہتر ہے؟

''اگر کوئی شخص مراتب غوث قطب یا مراتب ابدال یا مراتب اوتاد کا حامل ستر ہزار مقامات طبقات عرش سے تحت الثریٰ تک تصرف نہیں رکھتا ہو تو اس سے کیا چیز بہتر ہے؟''

فرماتے ہیں:

''یہ سب درجات ہیں اور جملہ درجات سیڑھی کی طرح ہیں۔ کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تصور حضوری سے معرفتِ الٰہی سے وحدانیت تک پہنچنا، فنافی اللہ نور کا استغراق، تصور اسم اللہ ذات کو مدنظر رکھ کر منظور ہونا، سرور کائنات حضور مشرف و ملازم ہو کر مجلس نبوی میں حاضر ہونا یہ طریق بہتر ہے (ان سب سے)۔'' خلاصہ یہ ہے کہ

تصور کلمہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ: مراقبہ و ذکر

مقامِ معرفت: علم توحید

استغراق فی اللہ

تصور اسم ذات: مراقبہ یا ہر دم اللہ کی حضوری

مجلس نبوی: مراقبہ یا ہر دم درود خوانی

اگر یہ سب ہیں تو سب سے بہتر ہیں۔

☆☆☆

Marfat.com

حوالے اور تشریحات

نورِ معرفت:

۱۔ سِرّ دلبراں از شاہ محمد ذوقی ۔ص ۲۶۹
محفل ذوقیہ کراچی ۳۸۱۲

۲۔ ایضاً ۔ص ۲۶۹

۳۔ کتاب اللمع فی التصوف ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ۔ باب معرفت

۴۔ محک الفقر کلاں ترجمہ ومتن سید امیر نیازی مرحوم ۔ص ۲۰

۵۔ ایضاً ۔ ۲۰

۶۔ امیر الکونین ترجمہ اللہ والے کی قومی دوکان ۔ص ۹۷

۷۔ ایضاً ۔ص ۱۰۳

۸۔ نور الہدیٰ ترجمہ ومتن نیازی مرحوم ۔ص ۲۳۰

۹۔ ایضاً ۔ص ۳۰

۱۰۔ محک الفقر کلاں ترجمہ ومتن نیازی مرحوم ۔ص ۳۲۴

۱۱۔ ایضاً ۔ص ۳۵۴

۱۲۔ عقل بیدار متن وترجمہ نیازی مرحوم ۔ص ۶۹

عشق:

۱۔ رسالہ روحی ترجمہ وشرح راقم دستگیر اکاڈمی دربار سلطان باہو جھنگ ۔ص ۹۸

Marfat.com

۲۔ ایضاً۔ص ۹۹ تا ص ۱۰۲

۳۔ محکم الفقراء ترجمہ کے بی نسیم۔ص ۷۶

۴۔ نور الہدیٰ ترجمہ و متن نیاز مرحوم۔ص ۳۰۶

۵۔ سر دلبراں، شاہ محمد ذوقی۔ص ۱۷۰

۶۔ ایضاً۔ص ۲۳۸

۷۔ ایضاً۔ص ۲۶۶

۸۔ محکم الفقراء ترجمہ کے بی نسیم۔ص ۱۲

۹۔ عین الفقر ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ص ۱۰۶

۱۰۔ ایضاً۔ص ۴۳۰

۱۱۔ محکم الفقراء ترجمہ کے بی نسیم۔ص ۱۴

۱۲۔ دیباچہ ترجمہ انگریزی دیوان باہو۔ از ڈاکٹر انے ماری شمل۔ دستگیر اکاڈمی۔ دربار سلطان باہو جھنگ۔

۱۳۔ مزار کے ساتھ متصل مسجد درگاہ سلطان باہوؒ کی دیوار پر یہ شعر خوشخط لکھا ہوا ہے۔

۱۴۔ اسرار الحروف۔ مرتب و شارح راقم۔ص ۵۶ سلطان باہو ٹرسٹ۔ لاہور۔

۱۵۔ امیر الکونین ترجمہ اردو۔ص ۲۲۔ البشر والے کی دوکان۔ لاہور۔

۱۶۔ محک الفقر کلاں۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ص ۱۶

۱۷۔ ایضاً۔ص ۱۷

۱۸۔ عقل بیدار ترجمہ و متن نیاز مرحوم۔ص ۲۸۲

۱۹۔ ایضاً۔ص ۲۸۸

۲۰۔ قرآن مجید (۸۹:۳۰)

۲۱۔ محک الفقر کلاں ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ص ۳۰

Marfat.com

۲۲۔ ایضاً۔ص۳۲

۲۳۔ ایضاً۔ص۲۳۴

۲۴۔ ابیات۔رقبہ راقم۔زاویہ پبلشرز لاہور۔ص

۲۵۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۳۵۰

۲۶۔ امیر الکونین اردو ترجمہ اللہ والے کی قومی دوکان۔ص۲۲

۲۷۔ ایضاً۔ص۲۲

۲۸۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۲۸

۲۹۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۴۶

۳۰۔ ایضاً۔ص۵۴

۳۱۔ ایضاً۔ص۵۴

۳۲۔ ایضاً۔ص۷۸

۳۳۔ ایضاً۔ص۴۳۲

۳۴۔ ایضاً۔ص۴۱۳

۳۵۔ عقل بیدار ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۲۸۲

۳۶۔ سر دلبراں۔سید شاہ محمد ذوقی۔ص۲۲۷

۳۷۔ رسالہ روحی ترجمہ وشرح از راقم۔ص

۳۸۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۱۱۸

۳۹۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۶۳۰

۴۰۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص۲۱۲

۴۱۔ ایضاً۔ص۷۸

۴۲۔ ایضاً۔ص۱۲۴

Marfat.com

۴۳۔ عقل بیدار۔ص ۱۹۰

۴۴۔ محک الفقرا کلاں۔ص ۱۹۱

۴۵۔ امیر الکونین۔ترجمہ اللہ والے کی دکان۔ص ۱۶

۴۶۔ ایضاً۔ص ۳۴

۴۷۔ ایضاً۔ص ۳۹

۴۸۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۱۷۰

۴۹۔ ایضاً۔ص ۳۱۲

۵۰۔ ایضاً۔ص ۶۳۴

۵۱۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۶۹۶

۵۲۔ ایضاً۔ص ۴۳۶

تمثیلات وحکایات وروایات:

۱۔ تشبیہات رومی۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم

۲۔ ایضاً۔ص ۲۰۹

۳۔ ایضاً۔ص ۲۱۰

۴۔ قرآن کریم (۳۶:۱۷)

۵۔ شزراتِ اقبال۔ص ۱۰۶

۶۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن سید امیر خاں نیازی مرحوم۔ص ۳۹۸

۷۔ ایضاً۔ص ۳۷۲

۸۔ ایضاً۔

۹۔ ایضاً۔ص ۴۳۶

۱۰۔ ایضاً۔ص ۳۹۸

Marfat.com

۱۱۔ ایضاً۔ص ۴۰۸

۱۲۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ نیازی مرحوم۔ص ۳۳۳

۱۳۔ محک التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۲۱۸

۱۴۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۳۷۳

۱۵۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۲۲۲

۱۶۔ عین الفقر۔ایضاً۔ص ۲۱۶

۱۷۔ ایضاً۔ص ۲۷۸

۱۸۔ ایضاً۔ص ۶۔۵۵۵

۱۹۔ قرآن مجید۔آل عمران آیہ ۱۴۔الکہف آیہ ۴۶

۲۰۔ ایضاً۔ص الحدید آیہ ۲۰

۲۱۔ عین الفقر۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۵۲۰

۲۲۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۴۸۷

۲۳۔ کلید التوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۶۲۲

۲۴۔ سِرِّ دلبراں۔شاہ محمد ذوقی۔ص ۱۱۲ تا ۱۱۵

۲۵۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۶۶۷

۲۶۔ عین الفقر۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۳۵۸ تا ص ۲۶۶

۲۷۔ ایضاً۔ص ۲۷۰

۲۸۔ ایضاً۔ص ۶۴

۲۹۔ عوارف المعارف۔شیخ شہاب الدین سہروردی۔ترجمہ اردو عبدالرشید ارشد۔ص ۴۳

۳۰۔ عین الفقر۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۶۹۸

۳۱۔ ایضاً۔ص ۲۹۹

Marfat.com

۳۲۔ کلید التوحید کلاں۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۶۰۶

۳۳۔ عین الفقر۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۲۸۲

۳۴۔ ایضاً۔ ص ۲۹۵

۳۵۔ ایضاً۔ ص ۴۲۶

۳۶۔ ایضاً۔ ص ۵۴۴

۳۷۔ گنج الاسرار۔ ترجمہ کے بی نسیم۔ ص ۴۱

۳۸۔ محکم الفقراء۔ ترجمہ کے بی نسیم۔ ص ۴۷

۳۹۔ شرح ابیات سلطان باہو از راقم زاویہ پبلشرز۔ ص ۵۵

۴۰۔ محک الفقرا خورد۔ ترجمہ روم قادر نامی، اللہ والے کی دوکان۔ ص ۴۳

۴۱۔ محک الفقر کلاں۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۴۲۷

۴۲۔ عین الفقر۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۶۳۸

۴۳۔ ایضاً۔ ۲۱۸

۴۴۔ ایضاً۔ ۵۸۸

۴۵۔ محک الفقر کلاں۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۳۴۸

۴۶۔ نور الہدیٰ۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۵۰۶

۴۷۔ شرح ابیات سلطان باہو۔ از راقم زاویہ پبلشرز لاہور۔ ص ۳۲۹

۴۸۔ عین العارفین۔ ترجمہ کے بی نسیم۔ ص ۵۴

۴۹۔ عین الفقر۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۱۵۰

۵۰۔ محک الفقر کلاں۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۳۸۶

۵۱۔ عین الفقر۔ ترجمہ و متن نیازی مرحوم۔ ص ۶۴۲

۵۲۔ حضرت رابعہ کا واقعہ رسول اشد سے محبت

Marfat.com

۵۳۔ عین الفقر۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۶۱۴

۵۴۔ ایضاً۔۵۲۸

۵۵۔ ایضاً۔۵۷۷

۵۶۔ نورالہدیٰ خورد۔ترجمہ کے بی نسیم۔ص

۵۷۔ تیغ برہنہ۔اللہ والے کی قومی دوکان۔ص ۸

۵۸۔ کلیدالتوحید خورد۔ // ص ۱۱

۵۹۔ محبت الاسرا // ص ۳۴

۶۰۔ عین الفقر۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۵۱۶

۶۱۔ کلیدالتوحید کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۶۱۸

۶۲۔ ایضاً۔ص ۶۵۰

۶۳۔ ایضاً۔ص ۶۵۲

۶۴۔ محک الفقر کلاں۔ترجمہ ومتن نیازی مرحوم۔ص ۳۶ ۷ تا ص ۷۴۲

☆☆☆

Marfat.com

حضرت سلطان باھوؒ ٹرسٹ

پسِ منظر

عظیم روحانی شخصیت سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ سے منسوب اس بین الاقوامی ادارے کی بنیاد بیس سال پہلے انھی کے جلیل القدر خانوادے کے چشم و چراغ حضرت صاحبزادہ سلطان نیاز الحسن سروری قادری اور حضرت صاحبزادہ سلطان فیاض الحسن سروری قادری نے رکھی رفتہ رفتہ دنیا بھر سے دین کا درد رکھنے والے اس ادارے میں شامل ہوتے گئے۔ اب الحمدللہ یہ ادارہ ایک عالمگیر تحریک کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ حضرت سلطان باھوؒ ٹرسٹ کی خدمات کا دائرہ تقریباً آدھی دنیا پر محیط ہو چکا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت ہے اس کے مختلف دعوتی و تبلیغی، تعلیمی، تحقیقی، رفاہی اور فلاحی منصوبہ جات مسلسل پھیلتے چلے جا رہے ہیں

اغراض و مقاصد

1۔ عالمگیر سطح پر اسلام کی دعوت، تبلیغ اور اشاعت کا موثر اہتمام۔ 2۔ سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کے افکار و تعلیمات کی اشاعت و ترویج کا موثر انتظام جس کے ذریعے حقیقی تصوف کے علمی و عملی پہلوؤں کو اجاگر کیا جا سکے۔ 3۔ علومِ شریعہ اور علومِ عصریہ کا حسین امتزاج تا کہ ایسے رجالِ کار تیار ہو سکیں جو عصری تقاضوں کی روشنی میں دین و ملت کی ہمہ پہلو خدمت کا فریضہ کماحقہ سرانجام دے سکیں۔ 4۔ ملتِ اسلامیہ کے نونہالوں اور نوجوانوں کی تعلیم و تربیت کا موثر انتظام جس کے ذریعے انھیں معاشرے کیلئے نفع بخش اور مفید شہری بنایا جا سکے۔ 5۔ عالمگیر سطح پر قحط، سیلاب، زلزلوں اور جنگ وغیرہ سے متاثرہ افراد کی بلا امتیازِ مذہب اور رنگ و نسل بحالی کے لیے جدوجہد

پروگرام انشاءاللہ

شعبہ ایجوکیشن

دینی اور عصری علوم کی ایک ساتھ تعلیم کیلئے پاکستان کے اہم شہروں میں الحراء کیمونٹی کالجز کا اہتمام۔ پاکستان بھر میں قرآن حکیم کی تعلیم (حفظ و ناظرہ) کیلئے مراکزِ تعلیم القرآن کا قیام۔ پاکستان بھر میں طلبہ و طالبات کیلئے میٹرک تک کی عصری تعلیم کیلئے ہولی سکول سسٹم کا قیام۔ حضرت سلطان باھوؒ یونیورسٹی کا قیام

شعبہ دعوت و تبلیغ

اُمتِ مسلمہ کے عقائد و اعمال کی اصلاح کے لیے مفید اسلامی لٹریچر کی اشاعت۔ نسلِ نو کو بنیادی دینی تعلیم سے آشنا کرنے کے لیے سادہ، عام فہم اور دلکش کتب کی اشاعت۔ اہم اسلامی موضوعات پر ٹرسٹ کے نامور علماءِ کرام

Marfat.com

اور خطباء کی ویڈیوز، سی ڈیز اور ڈی وی ڈیز کی تیاری۔ عالمگیر سطح پر رجوع الی اللہ، رجوع الی الرسول اور رجوع الی القرآن اور فکرِ آخرت کی تڑپ پیدا کرنے کے لیے مختلف علاقوں میں تبلیغی اجتماعات، کانفرنسز، سیمینارز کا انعقاد اور دنیا بھر میں تبلیغی وفود کی روانگی۔

شعبہ سماجی بہبود

قحط، سیلاب، زلزلوں، بم دھماکوں اور جنگوں سے متاثرہ افراد کی بحالی کیلئے وسیع تر امدادی کام۔ مستحق افراد کیلئے مختلف علاقوں میں فری ہسپتال، ڈسپنسریز اور بلڈ بینکس کا انتظام۔ منشیات، جہالت، تعصبات اور دیگر معاشرتی برائیوں کے خلاف موثر جنگ۔

پاکستان میں ٹرسٹ کے تعلیمی منصوبہ جات

1۔ الحراء کمیونٹی کالج دربار حضرت سلطان باھوؒ

سلطان العارفین حضرت سلطان باھوؒ کے زیرِ سایہ آستانہ عِ حسن پر عظیم الشان تعلیمی نیٹ ورک قائم ہے۔ الحرا کمیونٹی کالج عظیم الشان بلڈنگ میں قائم ہے۔ یہاں پر مڈل پاس اور میٹرک پاس طلبا کو داخلہ دیا جاتا ہے۔ اور انہیں درسِ نظامی کے ساتھ ساتھ بی اے اور ایم اے کی تعلیم بھی دلائی جاتی ہے۔ طلباء بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر اس ادارے کی ایک اور بلڈنگ جو 24 کمروں پر مشتمل ہے اس کا کام تیزی سے جاری ہے۔ یہ بلڈنگ مکمل ہونے پر بہت سے غریب طلبا اپنی تعلیمی ضروریات پوری کرسکیں گے۔ اسی بلڈنگ کے اندر شعبہ حفظ و تجوید بھی قائم ہے جہاں سینکڑوں طلبہ قرآن کی تعلیم سے مستفیض ہوتے ہیں۔ آستانہ عِ حسن پر ہی دوسرا بڑا تعلیمی منصوبہ حرا اکیڈمی ہے جہاں نرسری سے لیکر آٹھویں تک طلباء زیرِ تعلیم ہیں۔ طلباء کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر یہاں بھی تعمیرات کا سلسلہ شروع ہے۔ الحمد اللہ 25 کمرے تعمیر کے آخری مرحلے میں ہیں اور مزید کمروں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے حرا اکیڈمی نے ہمیشہ فیصل آباد تعلیمی بورڈ میں نمایاں کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ الحرا کمیونٹی کالج، جامعتہ الحرا، حرا اکیڈمی اور حضرت سلطان باھوؒ ہسپتال، یہ منصوبہ تقریباً 100 کمروں پر مشتمل ہے۔ جن میں سے 45 کے قریب کمرے آخری مراحل میں ہیں ابھی 55 کمرے مزید تعمیر ہونا باقی ہیں

2۔ الحرا کمیونٹی گرلز کالج میرپور آزاد کشمیر

آزاد کشمیر کی حسین وادی میں میرپور سٹی کے اندر حضرت سلطان باھوؒ ٹرسٹ نے 2004 میں اپنا تعلیمی منصوبہ الحرا کمیونٹی گرلز کالج کے نام سے F.2 سیکٹر میں کرایہ کی بلڈنگ میں شروع کیا اب الحمد اللہ یہ کالج بند بندرال (نتھیا ٹاؤن) میں 34 کنال قطعہ اراضی پر قائم ہے۔

3۔ الحرا گرلز کمیونٹی کالج پنڈی سید پور (جہلم)۔ 4۔ الحرا کمیونٹی کالج دھیر کوٹ آزاد کشمیر۔ 5۔ الحرا کمیونٹی سنٹر فار

Marfat.com

گرلز ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ 6۔الحرا کمیونٹی گرلز کالج شورکوٹ کینٹ۔ 7۔الحرا گرلز کمیونٹی کالج ساہنگ نزد جاتلاں آزاد کشمیر۔8۔مرکز تعلیم القران ، پنڈی سید پور 9مرکزِ تعلیم القران ، کراچی۔10۔مرکزِ تعلیم القران ،اولکھ بھائیکے (گوجرانوالہ)۔11۔جامعہ سلطانیہ، ساہیوال۔ 12۔مرکزِ تعلیم القران شیخوپورہ۔13۔مدرسہ فیضانِ باہو،کھوتیار جالب (جہلم)۔14۔مرکزِ تعلیم القران، پنیالہ (ڈیرہ اسماعیل خان)۔15۔مرکزِ تعلیم القران،ضلع ایسٹ (کراچی)۔16۔مرکزِ تعلیم القران، بلدیہ ٹاؤن (کراچی)۔17۔مرکزِ تعلیم القران، چوا سیدن شاہ 18۔حرا اکیڈمی دربار حضرت سلطان باہوؒ۔19۔ہولی آئیڈیل سکول رجانہ ٹوبہ ٹیک سنگھ۔20۔الحرا ماڈل سکول پنیالہ ڈیرہ اسماعیل خان۔ 21۔ہولی سکول سسٹم گاجر گولہ اسٹیشن حافظ آباد۔22۔ہولی سکول سسٹم لاوہ چکوال 23۔الحرا گرلز کمیونٹی کالج نوشہرہ وادیِ سون خوشاب۔ 24۔الحرا سکول سسٹم اولکھ بھائیکے گوجرانوالہ۔ 25۔حرا پبلک ماڈل سکول کھیوڑہ جہلم۔

برطانیہ میں ٹرسٹ کے منصوبہ جات

1جامعہ اسلامیہ برمنگھم۔2۔وارڈ اینڈ کمیونٹی کالج عالم راک برمنگھم۔3۔سلطان باہوؒ سنٹر عالم راک برمنگھم 4۔الحرا ایجوکیشنل سنٹر ہال گرین برمنگھم۔5۔گلزارِ مدینہ سیلی اوک برمنگھم۔6۔مدرسہ اسلامیہ نوٹنگھم 7جامعہ اسلامیہ نوٹنگھم۔8۔جامعہ مسجد سلطانیہ نوٹنگھم۔9۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر مانچسٹر۔10۔الحراء مسجد نیلسن 11۔الحرا ایجوکیشنل سنٹر اپٹن پارک لندن۔12۔حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ بلیک برن۔13۔حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ اوسلو۔14۔جامعہ اسلامیہ حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ بریڈفورڈ۔15۔جامعہ فریدیہ وولورہمپٹن 16۔الحرا ایجوکیشنل اینڈ کلچرل سنٹر لوٹن۔17۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر سینڈول۔18۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر لیڈز۔19۔حضرت سلطان باہوؒ سنٹر گلاسکو

قربانی پراجیکٹ

ٹرسٹ کے تحت ہر سال قربانی پراجیکٹ کیا جاتا ہے۔جس کے تحت ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر سینکڑوں جانوروں کی قربانی کی جاتی ہے اور گوشت غریب لوگوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

ٹرسٹ کے رواں تعمیراتی منصوبہ جات

الحرا کمیونٹی کالج دربار حضرت سلطان باہوؒ کے نئے بلاک جس میں ۲۴ کمرے شامل ہیں کی تعمیر کا کام زور وشور سے جاری ہے جس پر اب تک خطیر رقم خرچ ہو چکی ہے، ابھی بہت سا کام باقی ہے حرا اکیڈمی میں بہت سی تعمیرات کا کام شروع ہے۔۱۰کمرے تیار ہو چکے ہیں مزید ۱۰ کمروں کی تعمیر کا سلسلہ شروع ہے۔حضرت سلطان باہوؒ ہسپتال کی تعمیر تقریباً مکمل ہو چکی ہے لیکن مشینری کا حصول ابھی باقی ہے۔الحرا کمیونٹی گرلز کالج میر پور آزاد کشمیر میں مزید تعمیرات

Marfat.com

کا سلسلہ شروع ہے۔ نئے ہاسٹل اور ایجوکیشن بلاک طلبا اور طالبات کیلئے علحیدہ علحیدہ خوبصورت مساجد کی تعمیر کا کام بھی ابھی باقی ہے۔ الحرا کمیونٹی گرلز کالج سید پور جہلم کیلئے مزید اڑھائی کنال قطعہ اراضی حاصل کرلیا گیا ہے۔ جس پر ہاسٹل تعمیر ہونا باقی ہے۔ حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کے ان منصوبہ جات کی تکمیل کروڑوں کی رقم درکار ہے

ٹرسٹ کے ساتھ تعاون کی مختلف صورتیں

آپ تعمیراتی سامان مثلاً اینٹیں سیمنٹ سریا یا دوسرا ضروری سامان ٹرسٹ کو بطور عطیہ دے سکتے ہیں

کسی ادارے میں بلاک یا کمرے کی تعمیر اپنے ذمے لے سکتے ہیں آپ کا یہ عمل آپ کے اور آپ کے مرحومین کیلئے مستقلاً صدقہ جاریہ ہے۔ اور ان کے ایصالِ ثواب کی بہترین صورت بھی

ایک کمرے کی تعمیر کے اخراجات۔3000۔ ایک دیوار کی تعمیر کے اخراجات۔450

ایک دروازہ کی تعمیر کے اخراجات۔150۔ ایک کھڑکی کی تعمیر کے اخراجات۔100

سو مربع فٹ جگہ کی تعمیر کے اخراجات۔5000

سپانسر شپ سکیم

آپ اس ادارے میں زیرِ تعلیم غریب یتیم بچوں کو سپانسر کر سکتے ہیں ایک طالب علم کو سپانسر کرنے کیلئے مبلغ 30 پونڈ ماہانہ ادا کرنا ہونگے۔ اس کے علاوہ آپ اپنی زکات، صدقات، عطیات اور فطرانہ بھی حضرت سلطان باہو ٹرسٹ کو دے کر خدمتِ دین اور خدمتِ انسانیت کی اس عالم گیر تحریک میں ہمارے دست و بازو بن سکتے ہیں

آپ کی دی ہوئی پائی پائی امانت اور دیانت کے ساتھ خرچ کی جائے گی

پاکستان اکاؤنٹ نمبر 8-421 مسلم کمرشل بینک رائے ونڈ روڈ ٹھوکر نیاز بیگ

برطانیہ اکاؤنٹ نمبر

Hazrat Sultan Bahu Trust A/c no. 01739018

Sort Code 40-42-12

IBAN GB 41 MIDL40421201739018

BRANCH INDTIFIER CODE MIDLGB2155G

DONATION HOT LINE +44(0)121 4404096

حضرت سلطان باہوؒ ٹرسٹ

17۔ ایمبر سلے روڈ بی 12۔8 یو آر برمنگھم

Marfat.com

Marfat.com